15/2

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم ۔ ۴ قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر رہائش ۔ ۲

جلد : ۱۵
شمارہ : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ
نومبر ۱۹۷۹ء

مدیر : سمیع الحق

نقشِ آغاز	سمیع الحق	۲
مولانا محمد یونس خالص حقانی سے ایک انٹرویو	ادارہ	۵
دینی مدارس یا اسلام کے قلعے	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۹
دارالعلوم دیوبند اور اردو ادب	مولانا انیس الاسلام قاسمی	۱۵
دارالعلوم دیوبند ـــــ عربی قصیدہ	مولانا لطافت الرحمان سواتی	۲۱
ملفوظاتِ تصوف وسلوک	خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ	۲۳
اسلام میں تعلیم	مفتی عتیق الرحمان عثمانی، دہلی	۲۶
دارالعلوم حقانیہ منزل بہ منزل	ہفت روزہ البلاغ۔ پشاور	۳۲
اجتماع پہ ایک نظر	مولانا حبیب الرحمان قاضی	۳۸
سرحد کا ایک مجاہد عارف باللہ اخوند عبدالغفور صاحبؒ	سید نفیس الحسینی صاحب نفیس رقم لاہور	۴۲
تعارف وتبصرۂ کتب	جناب اختر راہی	۴۹
ادبیات	سید امین گیلانی	۵۱
دارالعلوم کے شب وروز	جناب شفیق فاروقی	۵۲

بدل اشتراک ۔ پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے۔ بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ۔ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا ـــــ۔

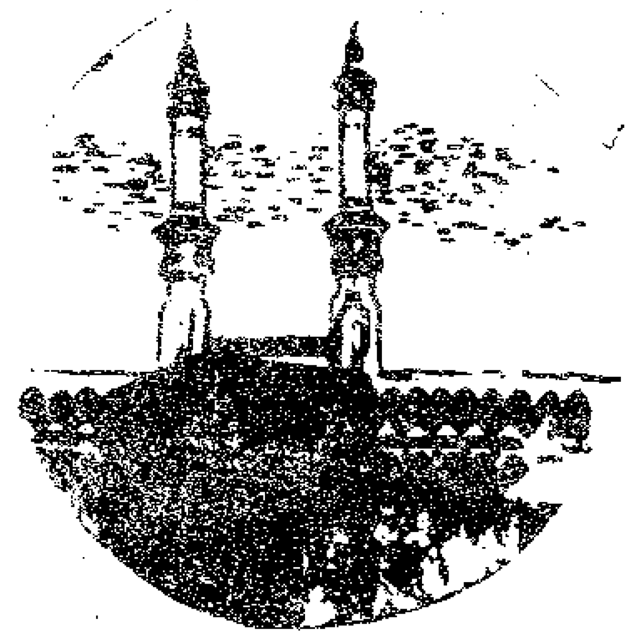

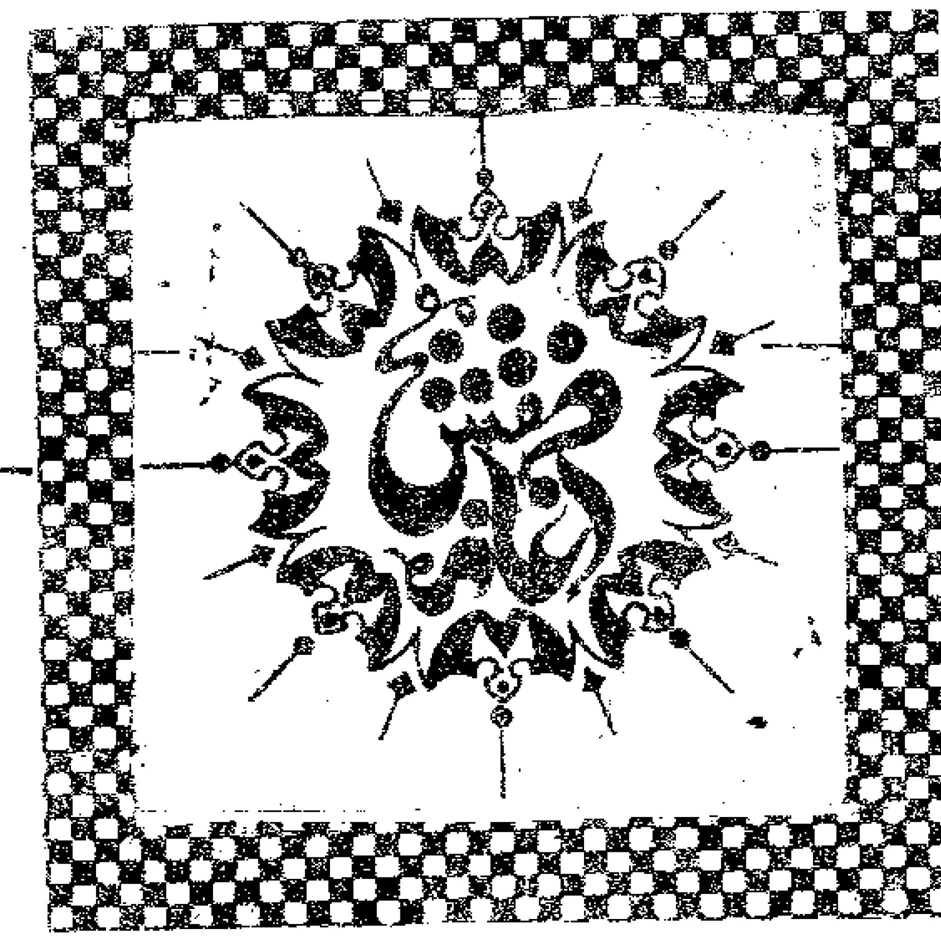

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

چودھویں صدی کا وداعی سال اپنے آغاز کے ساتھ کعبۃ اللہ الحرام (زادھا اللہ شرفاً و تکریماً) کے محاصرہ کا واقعہ فاجعہ لیکر آیا۔ لافانی عظمتوں کا علمبردار، ابدی صداقتوں کا امین، توحید و عبدیت کا سرچشمہ اوّلین بیت اللہ الکریم کی عظمت و حرمت۔ اللہ اکبر۔ فانی انسان کے بس میں کہاں ہے؟ کہ اسکی عظمتوں کو بیان کر سکے جسے رب العالمین نے بنی نوع انسان کے قیام و بقاء اور اسکی مقناطیسی حیثیت کو مثابۃً للناس اور اس کے حریم قدس کو امن و عافیت کا موجب قرار دیا آج اگر اسکی عزت و حرمت پر دست اندازی سے اس بسیط ارض کا ہر توحید پرست کانپ اٹھا، دل ڈوب ڈوب کر رہ گئے، حواس مختل ہو گئے اور پیمانۂ صبر و شکیب چور چور ہو کر رہ گیا تو پھر بھی ———

——— ؏ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

کیا عجب کہ روئے زمین کا ہر ہر ذرّہ لرز اٹھا ہو کہ آج اس کائنات خاکی کی ماں ——— ام القریٰ ——— کی حرمت چند مفسدین کے ہاتھوں خطرے میں ڈال دی گئی تھی، اس گستاخی پر تو محاذات کعبہ میں بیت المعمور سمیت ملأ اعلیٰ کی ہر ہر مخلوق کانپ اٹھی ہوگی۔ عرش تھرا گیا ہوگا، اور حملۃ العرش کروبی فرشتوں نے ایک بار پھر انسانی سرشت کی اس صفت فساد و سفک پر سر پیٹ لیا ہوگا۔

یکم محرم الحرام صدی کے آخری سال ہجرت کا آغاز تھا ——— وہ ہجرت جو نبی الرحمۃ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے جانباز صحابہ کرامؓ کا اپنے محبوب مرکز توحید بیت اللہ سے جدائی کا نام تھا حضور اقدسؐ ہجر و فراق کا داغ دل پہ لئے راہ خدا میں ملک و وطن اور اپنے محبوب شہر البلد الامین کو الوداع کہہ رہے تھے، جاتے جاتے بار بار نگاہ حسرت و شوق بیت اللہ کی طرف اٹھتی، ادھر شان کریمی نے شدت جذبات کو محسوس کرتے ہوئے ——— ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد ——— کی شکل میں مژدۂ وصال سے سرشار فرمایا۔ ہجرت کی ان گنت قربانیوں میں سب سے بڑی قربانی بیت اللہ کی جدائی تھی۔ کہ مومن رب البیت کا پرستار ہے، البیت کا نہیں اور البیت کا ہجر و فراق اسے رب البیت کی بارگاہ قدس سے الگ نہیں کر سکتا

کہ قلبِ مؤمن بذاتِ خود تجلیاتِ محبوبؐ کا نگارخانہ ہے، وہ البیت سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو مگر ربّ البیت تو اس کے نہاں خانہ دل کے ہر گوشے میں موجود اور اس کے ہر رگ وریشہ میں جاری وساری ہے۔ ھو معکم اینما کنتم — ونحن اقرب الیہ من حبل الورید —

بہرحال حضورؐ کا مکہ مکرمہ سے یہ ہجرتِ اختیاری جو سنہ ہجری کی اساس تھی نبی الرحمۃ کی امت کے لئے اس واقعۂ ہائلہ کی تشکل میں غیر اختیاری ہجرت اور ہجر و فراق کا درد سہنے کا ذریعہ بن گیا، کیا عجب کہ ربِ کریم نے محاصرۂ کعبہ پہ تڑپ اٹھنے والے ہر ہر نام لیوائے محمد عربیؐ کو ایک گونہ مہاجرین کعبہ کے زمرہ میں محسوب کر لیا ہو اور نئی صدی ہجری کا شان وشوکت سے استقبال کرنے والے فرزندانِ ملتِ ابراہیمی کو اصل حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کا ایک غیبی نظم ہو کہ کسی صدی کے اختتام و استقبال کی صحیح اور حقیقی صورت تو اس سبق کو یاد کر لینا ہے۔ جو کسی قوم کی تقویم اور جنتری کی بنیاد ہے۔

ساتھ ہی ساتھ اس دردناک سانحہ میں یہ سبق بھی دیا گیا کہ اپنی کامرانی اور کامیابی کے گیت گانے والو اور اپنی عظمتِ رفتہ اور سطوتِ پارینہ پر اترانے والو اگر تم اس صدی میں اپنی کھوئی ہوئی شوکت وعظمت کو بحال نہ کر سکے اپنے اولین مقتدا حضرت ابراہیمؑ اور مجددِ ملتِ ابراہیمی نبی کریمؐ کے طریقوں کو نہ اپنا سکے، مغضوب و ضال امتوں اور اپنے درمیان زندگی کے ہر شعبے میں خطِ فاصل نہ کھینچ سکے اپنی حقیقت، حیثیت اور تشخص کو پہچان نہ کر پائے تو اللہ کا دیا ہوا خلعتِ مجد وشرف تم سے واپس لے لیا جائے گا۔ اور تم اپنی عظمت و عصمت اپنی عزت وآبرو کے سمبل اور مرکز خانہ کعبہ کو بھی غیروں کی دست اندازی سے محفوظ نہ رکھ سکو گے۔ بیت المقدس کا ہمارے جیتے جاگتے یوں ہاتھ سے نکل جانا اولین تازیانہ تھا تو بیت اللہ الحرام کا ہفتہ عشرہ سے بڑھ کر طواف ورکوع، اذان وصلوٰۃ سے محروم رہ جانا اس سے بھی سخت تازیہ اور اس سے بھی زیادہ لمحۂ فکریہ ہے —

خانۂ کعبہ پر قبضہ کرنے والے سرکشوں کے اصل مقاصد وعزائم گو کھل کر اب تک سامنے نہیں آسکے مگر جو کچھ بھی اب تک معلوم ہو سکا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس انتہائی اقدام کے درپردہ کچھ نہ کچھ سیاسی محرکات بھی کار فرما تھے۔ بیت اللہ کے ساتھ پیش آنے والے ایسے گنے چنے واقعات جتنے بھی تاریخ نے محفوظ کئے ہیں ان سب میں سیاسی عوامل کار فرما رہے ہیں۔ حجاج بن یوسف کا شرمناک سانحہ تھا یا قرامطہ اور باطنیہ کا منافقانہ کردار یا شریف مکہ کا غدارانہ طرزِ عمل ان سب شورشوں میں مفسدین نے حالات سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گو وہ بالآخر خائب وخاسر ہوئے — اس وقت سعودی عرب کی حکومت جسے اللہ تعالیٰ نے مرکزِ توحید حرم کعبہ اور حرمِ نبویؐ کی خدمت کی سعادت سے نوازا ہے۔ اور جو عالم اسلام اور

اسلام کے لئے خلوص و محبت اور خیر خواہی کے جذبات سے مالامال ہے۔ اور جس نے خدا کے دئے ہوئے وسائل اور خزانوں کے دروازے پوری دنیا میں اسلام کی اشاعت و فروغ کے لئے کھول دیئے ہیں۔ ہم اسے اس گئے گذرے دور میں ایک غنیمت کبریٰ سمجھتے ہیں اور اسکی بقاء اور استحکام کے متمنی ہیں کہ اسی میں جزیرۃ العرب اور بالآخر عالم اسلام کا فائدہ ہے۔ اس احساس محبت اور سپاس عقیدت کے اظہار کے ساتھ یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ سعودی عرب کے باشعور حکمران اس واقعہ کے بعد ان تمام اسباب و حالات کا جائزہ لے کر اس کے ازالہ اور انسداد کی کوششیں تیز کر دیں گے جو مغربی تہذیب و تمدن کے فروغ اور مادیت کے دور دورہ کی صورت میں مرکز توحید اور سرزمین حجاز مقدس میں خدا فراموشی اور خود فراموشی کا ذریعہ بنتی جا رہی ہیں۔ اور جسے محاصرہ کعبہ کے مفسدین نے مہدویت کا جھوٹا لبادہ اوڑھ کر اپنے مقاصد مشؤمہ تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا چاہا ہے۔

حرم کعبہ ایک ارب مسلمانوں کا دل ہے۔ اور انہیں اسکی عصمت و عظمت اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں سے زیادہ محبوب ہے۔ مادیت اور مغربیت کا جو عفریت آج پورے عالم اسلام پر مسلط ہو چکا ہے مسلمانان عالم کی دلی تمنا ہے۔ کہ ان کا مرکز توحید اور مرکز عافیت و سکون (حرمین الشریفین) نئے نظریات نئے طور طریقوں اور مادی فتنوں سے محفوظ و مصئون رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس گھر اور اس کے مخلص خادموں کا حامی و ناصر ہو کہ یہی تو ہماری ہر مرکزیت کا ضامن اور ہر حسن و رعنائی کا سرچشمہ ہے ؎

محاسنہ ھیولی کل حسن
ومغناطیس افئدۃ الرجال

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

ش - د - ف

حزب اسلامی افغانستان کے امیر مولانا محمد یونس خالص حقانی

فضلاء حقانیہ کا ایک قابل فخر مجاہد ساتھی

سے

ایک انٹرویو

افغانستان کے غیور اور بہادر مسلمانوں اور جذبہ اسلامی سے سرشار مجاہدین کے کامیاب جہاد کا غلغلہ پوری دنیا میں پھیل گیا ہے۔ مجاہدین کے کئی احزاب اور جماعتیں اپنی اپنی صوابدید اور وسائل کی بناء پر کسی نہ کسی محاذ کو سنبھالی ہوتی ہیں، ہر ایک کا کام قابل صد تحسین و تائید ہے۔ مگر رہ رہ کر ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ دنیا کے ظالم اور سفاک کمیونزم انقلاب کے مقابلے میں، کاش! یہ احزاب اور مختلف جماعتیں ایک جسد اور ایک بیان بن کر سیسہ پلائی دیوار بن جائیں، اس طرح اتحاد و اتفاق کی برکت سے موجودہ فتوحات اور کامرانیاں اور بھی مؤثر اور بابرکت ہوتیں۔ ان خیالات میں یکایک یہ خوشخبری ملی کہ مجاہدین کی چار اہم اسلامی تنظیموں نے اشتراک عمل اور متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس بابرکت تقریب میں شمولیت کا دعوت نامہ قاصد لے کر جب مولانا سمیع الحق صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے بھی نہایت مسرت کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کا وعدہ کر لیا دوسرے دن ہم پشاور میں جبہۂ ملی نجات افغانستان کے امیر شیخ صبغۃ اللہ مجددی کے مکان پر پہنچے جہاں یہ تقریب منعقد ہو رہی تھی لان مجاہدین اور ان کے امراء سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حرکت انقلاب اسلامی افغانستان کے مولانا محمد نبی محمدی جبہۂ ملی کے شیخ مجددی، جمعیۃ اسلامی افغانستان کے استاد برہان الدین اور حزب اسلامی افغانستان کے مولانا محمد یونس خالص اپنی تنظیموں کی اہم شخصیات اور مسلح مجاہدین کے ایک بڑے اجتماع کے شریک محفل تھے۔ ان میں سے مولانا محمد نبی محمدی صاحب امیر حرکت انقلاب اسلامی جن کے ساتھ علماء و مشائخ کے ایک بڑی تعداد مصروف جہاد ہے۔ اور جن میں ایک بڑی اکثریت دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء افغانستان کی ہے۔ میں پہلے بھی بارہا ملاقات کر چکا تھا کہ وہ دارالعلوم تشریف لاتے رہے تھے۔ اور زعماء ہمارے لئے نئے تھے آج ان کی ولولہ انگیز تقاریر اور مجاہدانہ جذبات کو دیکھ کر ایک ولولۂ تازہ اور جوش ایمانی سے سارا مجمع سرشار تھا ———— اتنے میں شدید بارش شروع ہو گئی

مگر جو مردانِ حق نہتے ہو کر روسی راکٹوں اور گولیوں کی بارش سے ذرا بھی نہ ڈگمگائیں۔ آج کی بارشِ رحمت کیسے ان کو جگہ سے ہلا سکتی تھی۔ مجمع آخر تک جاری رہا، بارہ ایک بجے مجمع برخواست ہوا۔ ہمارے مولانا سب امراء سے ملے۔ شیخ صبغۃ اللہ مجددی اور استاذ برہان الدین کو اپنے جذبات سے آگاہ کیا اور پورے علمی طبقہ کی طرف سے دلی مخلصانہ جذبات کو پیش کیا کہ اتنے میں حزبِ اسلامی کے امیر مولانا محمد یونس خالص سے تعارف ہوا مولانا یونس خالص کی فاتحانہ اور مجاہدانہ جرأتوں کا چرچا اخبارات میں آ رہا ہے۔ بالخصوص پکتیا کے محاذ پر ان کی یلغار اور بذاتِ خود ہر محاذ میں ان کی مجاہدانہ یورش کا سن کر مولانا کو بھی خود ان سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ مولانا سے متعارف ہوتے ہی مولانا محمد یونس خالص صاحب ان سے لپٹ گئے۔ اور فرطِ محبت سے رونے لگے اور کہا کہ میں خود حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضری کا ہر وقت سوچتا رہا۔ مگر جہاد کے کاموں سے محاذ کو چھوڑنے کی اجازت نہیں دی پھر انہوں نے خوشگوار حیرت کے ساتھ مولانا سے کہا کہ ارے آپ تو دو تین سال کے تھے اور اب اتنے بڑے ہو گئے۔ پھر مختصراً تعارف کراتے ہوئے مولانا سے کہا کہ میں دو تین سال آپ کی مسجد میں حضرت کی خدمت میں بسلسلۂ تلمذ مقیم رہا ہوں۔ اس وقت آپ معمولی چلتے پھرتے تھے۔ اس کے بعد مولانا نے کچھ دیر خالص صاحب کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کا ارادہ ظاہر کیا اور خالص صاحب کو اپنی ہی گاڑی میں بٹھا کر ان کے قائم کردہ مرکز واقع تہکال بالا لے آئے۔ یہاں ان حضرات کی گفتگو کے دوران میں نے موقع غنیمت سمجھ کر ارادہ کیا کہ —— دنیا کے ایک عظیم استعماری سرخ سامراج کمیونسٹ روسی اسٹیٹ کے ساتھ برسرِ پیکار جذبۂ ایمانی سے سرشار ان نہتے مجاہدین کے اس درویش منش امیر اور خود محاذوں میں کمانڈ کرنے والے سرفروش عالمِ دین کے کچھ حالات بھی قارئین تک پہنچا دوں بالخصوص حقانی برادری سے وابستہ ہزاروں فضلاء اور علماء جن کے لئے اپنے غیور حقانی فرزند کے ان مومنانہ کارناموں سے مزید مسرت حاصل ہوگی کہ مولانا محمد یونس خالص حضرت شیخ الحدیث ہی کے حقانی چشمہ فیض کے قدیم ترین فیضیابوں میں سے ہیں اور ان کی حمیتِ اسلامی اور جہادِ حریت کے کارنامے بلاشبہ دارالعلوم حقانیہ کے مفاخر اور حضرت شیخ الحدیث ہی کے صدقات میں شمار ہوں گے —— میں نے پہلا سوال مولانا یونس خالص صاحب سے ان کے تعلیمی اور ابتدائی حالات کے بارہ میں کیا۔ تو مولانا نے فرمایا:

"میری ابتدائی تعلیم افغانستان میں قائم درسوں میں ہوئی، دیوبند میں بھی دو چار ماہ رہا۔ مرزا قطبی وغیرہ دیوبند میں پڑھی، شرح عقائد بھی وہاں علامہ ابراہیم سے پڑھی، علامہ بارتونگ مرحوم اور مولانا چکیسر صاحب حق صاحب سے بھی استفادہ کیا۔ پھر بارتونگ سے اکوڑہ خٹک آیا جہاں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے

اپنے گھر کی مسجد میں درس دینا شروع کیا تھا۔ اور اس کا شہرہ ہر طرف پھیل گیا تھا۔ ابھی مولانا دیوبند بحیثیت مدرس نہیں بلائے گئے تھے، اس دوران میں نے مولانا مدظلہ سے مختصر المعانی اور صدرا وغیرہ پڑھ لیا مولانا کے ایک عزیز مولوی عبدالجمیل صاحب لوندخوڑ اور صاحبزادہ صاحب ماشوخیل بھی اس وقت مولانا کے درس کے طلبہ میں سے تھے۔ پھر یہاں سے ایک بار ما رتونگ جاکر کچھ کتابوں کی تکمیل کی اور دوبارہ وہاں سے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی اور میرے ساتھ میرے بھائی مولانا محمد یوسف صاحب افغانی بھی شریک درس تھے۔ ہم دونوں کو مولانا خاص طور سے بخاری اور ترمذی پڑھاتے رہے اور تفصیلی مباحث کے لئے زیادہ زور ترمذی شریف پر دیتے تھے۔

دو سال تقریباً ہم مولانا کے تلمّذ میں ان کی مسجد میں رہے۔ اس کے بعد مولانا کا دارالعلوم دیوبند مدرس ہو کر جانا ہوا۔ اس اثناء میں حضرت مولانا نے مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے ایک انجمن اور پرائمری سکول اکوڑہ میں قائم کیا۔ یہ سب چیزیں ہمارے سامنے ہوتیں جو بعد کے سیاسی اور تنظیمی کاموں میں ہماری رہنمائی کرتی رہیں۔ اس وقت میرے نام کے ساتھ خالص کا تخلّص نہیں تھا۔ یہ بعد میں رکھا گیا۔"

اپنی سیاسی وملّی زندگی کے بارہ میں میرے سوال کے جواب میں مولانا خالص نے کہا کہ :-

"ہم لوگ یہاں سے جاکر اوّلاً خوگیانی میں گندرک نامی گاؤں میں رہتے تھے۔ میرے بھائی مولانا محمد یوسف صاحب بھی جو مولانا کے شاگرد ہیں میرے ساتھ تھے، شاید ۱۳۳۲ھ میں ہم نے حزب التّوابین کے نام سے ایک جمعیۃ بنائی ہر ہر منطقہ میں اس کے دس دس افراد کا ایک گروپ بنا لیتے اور اس دوران ننگرھار علاقہ کے سُرخود مقام پر ایک مدرسہ بھی تشکیل دیا جیسے ہمارے مولانا نے اکوڑہ خٹک میں حقانیہ سے قبل تعلیم القرآن کے نام سے کیا تھا۔ یہ گویا ہم نے عملی درس مولانا سے سیکھا کہ اللہ نے چاہا تو اب ہمیں بھی اسے آگے بڑھانے کا موقع مل گیا تھا۔ اس اثناء میں کابل کے جناب منہاج الدین گھیخ ہمارے مہمان ہو گئے اور اس دوران میں نے مشترکہ کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور کابل شہر میں بھی ایک گروپ بنا لیا اور منہاج الدین صاحب نے میرے ہی توسط سے گھیخ نامی پرچہ نکالا کیونکہ میں اب افغانستان کے شعبۂ مطبوعات میں تھا بعد میں کابل کے مجلّہ پیغام حق کا بھی مدیر رہا۔ اور دارالعلوم کابل میں تدریس کے فرائض بھی انجام دئے، کمیونزم کے رد میں کتابچے بھی لکھے اور دینی ملغلرے کے علاوہ رمضان و حج وغیرہ

کہ اشتراکیت پر بھی کتابیں لکھیں۔ پھر جمعیۃ اسلامی کے نام سے ایک جماعت بنائی گئی اور انجینئر حبیب الرحمن اسکی فعال شخصیت تھے۔ دوسری اہم شخصیت جناب عبدالرحیم نیازی کی تھی اور یہ کام یونیورسٹیوں میں بھی پھیل گیا۔"

مولانا خالص نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"سردار داؤد کے دور میں میرا ایک بیٹا بھی جو بہت فعال شخص ہے اور مزار شریف میں مدرس تھا۔ مدرسہ اڈہ کا فارغ تھا اور جو اب کابل میں قید ہے اور جو نویسندہ بھی تھے وہ بھی جمعیۃ اسلامی میں تھے۔ الغرض سلسلہ چلتا رہا۔ سردار داؤد آیا تو انجینئر حبیب الرحمان کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور پھر اسے شہید کر دیا گیا، اس وقت سے میرا بیٹا بھی گرفتار ہے۔ انجینئر گل بدین صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے بعد میں ربانی صاحب نے جمعیۃ اسلامی کا نام برقرار رکھا۔ اور انجینئر صاحب نے حزب اسلامی کا نام اختیار کیا۔ اور اکٹھے یہ کام ہوتا رہا، پھر اتحاد کے لئے کوششیں جاری رہیں۔ ہماری بھی اور دیگر احزاب کے ساتھ بھی مگر اللہ کو منظور نہ تھا، کچھ علماء و مشائخ نے دوسرے نام کو اختیار کیا اور حزب اسلامی اور جمعیۃ اسلامی دونوں کو ختم کر دیا گیا۔ مگر میں نے حزب اسلامی کا نام چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور اب اسکی امارت کی خدمت میرے ہاتھ میں ہے۔ اور حسنِ اتفاق یہ کہ اس کام میں میرا سب سے اہم معاون اور دست راست اور فعال شخص بھی ہمارے مولانا عبدالحق مدظلہ کا ہی خاص شاگرد ہے، یعنی مولانا جلال الدین حقانی جو سالہا سال مولانا کی خدمت میں رہے اور دارالعلوم حقانیہ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے اور کچھ دن دارالعلوم میں مولانا کی خدمت میں رہ کر تدریس بھی کرتے رہے۔ وہ اخلاص، شجاعت اور زہد و تقویٰ کا ایک مثالی نمونہ ہیں۔ اور میدانِ کارزار میں خود بر سرِ پیکار رہتے ہیں۔"

کچھ دیر توقف کے بعد مولانا خالص نے کہا کہ ایک مولانا جلال الدین کیا اس وقت ہمارے پورے افغانستان میں شاید ایسے لوگ بہت ہی کم ہوں جو بالذات یا بالواسطہ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے شاگرد نہ ہوں۔ مولانا جمیل الرحمان صاحب، مولانا حسن صاحب کنڑ، حاجی دین محمد صاحب ان کے ساتھ قومیں تھیں، قوت تھی ہم سب نے مل کر اللہ پر توکل کرتے ہوئے کام شروع کر دیا۔"

سلسلۂ کلام کاٹتے ہوئے میں نے مولانا سے اسلحہ اور بارود کے بارہ میں پوچھا کہ اتنی عظیم قوت کے مقابلہ میں وسائل کہاں سے آتے ہیں۔ مولانا خالص نے کہا:

باقی ص۳۷ پر

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام کے قلعے

اس انقلابی زمانہ میں مدارس عربیہ
کی
ضرورت

جدید اجتماعی و سیاسی تغیرات نے بہت سے قومی و مذہبی مسائل کو موضوع بحث بنا دیا ہے اور زندگی کے بہت سے شعبوں اور اداروں کی ضرورت اور فائدہ پر بحث و تنقید کا دروازہ کھل گیا ہے۔ مسلمانوں کے بعض حلقوں میں سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ عربی مدارس کی اس انقلابی زمانہ میں کیا ضرورت ہے۔ اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی کا کون سا خانہ خالی رہتا ہے آج کی صحبت میں ہم اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

اس سلسلہ میں چند بنیادی حقائق کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ جو اس مسئلہ میں مبادی کا کام دیں گے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ مسلمان قوم کا مزاج اور قوام دنیا کی تمام قوموں سے مختلف ہے۔ مذہب امت مسلمہ کے خمیر اور ترکیب میں داخل ہے یہ قوم کسی جگہ اور کسی وقت بھی غیر مذہبی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مذہب اور ایک متعین مذہب (اسلام) کے بغیر اس کا تصور ہی ممکن نہیں۔ مذہب اس کے فکر و عمل کا مرکز۔ اس کے کاموں کی صحت و غلطی اور اس کی ترقی و تنزلی کی میزان اور اس کی صحت طبعی اور انحراف مزاج کا مقیاس ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس امت کی بنیاد ایک خاص قانون (شریعت) اور ایک خاص دستور (قرآن و حدیث) پر ہے یہ قانون مکمل اور یہ دستور منضبط ہے اس امت کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی زندگی اور فکر کا سرچشمہ تغیر پذیر انسانی اجتہادات و تجربات اور غیر قطعی نظریات کے بجائے وحی الٰہی ہے۔ دنیا کی دوسری تہذیبوں کے برخلاف اس کی تہذیب و تمدن کی بنیاد، دیواروں اور ستونوں، میناروں اور گنبدوں۔ کاغذ کے شیرازوں، تصویروں کے نقوش اور موسیقی کے آلات پر نہیں ہے۔ بلکہ چند ابدی حقائق، چند اصول و نظریات اور اس مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ہے جو وحی سے ماخوذ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ دنیا کی دوسری "خودرو اور خود ساختہ" قوموں کے برخلاف اس کے مستقبل کی بنیاد اس کے ماضی پر ہے۔ اس کے سامنے زندگی کا ایک بلند ترین معیار اور ترقی کا آخری نمونہ ہے۔ اور یہ نمونہ گذر چکا ہے۔ لیکن تاریخی و تحریری طور پر محفوظ ہے یہ سنت رسول ﷺ۔ اسوۂ صحابہؓ اور خلافت راشدہ کا عہد ہے۔ "سنت" اور "سلف" کی جو اہمیت اسلامی تعلیمات میں ہے غالباً کسی دوسرے مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ دین کا مفہوم جتنا اسلام میں وسیع اور ہمہ گیر ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسلام کے صحیح نقطۂ نظر اور تعلیمات نبویؐ کے مطابق سچے مسلمان کی پوری زندگی دین ہے اور نیت کے تغیر سے اس کا ہر کام عبادت ہے اس لئے اس میں دین و دنیا کے شعبے اور ان کے اشخاص اس طرح علیحدہ علیحدہ اور ان کے حدود ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز نہیں جس طرح عیسائیوں میں، مذہب مسلمان کی زندگی میں جلد مؤثر ہوتا ہے اور جلد متاثر۔ اگر اس کی زندگی کے مسائل نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ دین کی روشنی میں اور اس کی مصالحت اور سمجھوتے سے طے نہ کئے جائیں تو نہایت آسانی سے وہ دین سے ٹکرا جاتے ہیں اور مسلمان کی زندگی اور اس کے مذہب پر ان کا اثر پڑتا ہے مثال کے طور پر صلح و جنگ کے قوانین تعزیرات، لین دین کے معاملات، اور کتنے اجتماعی و معاشرتی سیاسی اور معاشی مسائل ہیں جن کا مذہب سے گہرا تعلق اور اسلامی قانون سے ارتباط ہے۔ ان مسائل کو طے کرنے کے لئے کتنی دینی بصیرت اور کس قدر علم کی ضرورت ہے۔

جس قوم کا مزاج اتنا نازک اور پیچیدہ ہو اور جس کے مذہب و قانون کا دائرہ اتنا وسیع ہو اس کے علاج و طبی مشورہ کے لئے کیسے مزاج داں و نباض اور کیسے حاذق کی ضرورت ہے۔

جو طبقہ یا جماعت مسلمانوں کی رہنمائی کے منصب کی امیدوار ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قانون اور دستور سے واقف ہو اس چشمہ سے سیراب ہو جس سے اس کی زندگی کی نہریں پھوٹی ہیں اور اس کی رگوں میں اس کا آب حیات جاری ہے۔ ان ابدی حقائق کا علم اور اُن اصول و نظریات پر ایمان رکھتا ہو اور اس اخلاقی فلسفہ کا قائل اور عامل ہو جس پر اس کے تمدن و تہذیب کی بنیاد ہے اور اس کے ماضی سے باخبر اور اس بلند معیار اور نمونہ سے متاثر ہو جس پر امت کے حال و مستقبل کی تعمیر ہونی چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔ اسلام دراصل نام ہے اس مستقل واضح اور متعین دینی اخلاقی اور اجتماعی نظام کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لے کر آئے۔ اسی کا نام شریعت محمدی ہے اس میں عقائد بھی ہیں اعمال بھی، اخلاق و معاملات بھی۔ باقی جو کچھ ہے یا اس کے لئے وسیلہ ہے یا اس کا نتیجہ امت کا سب سے بڑا فریضہ اس نظام کی حفاظت ہے۔ عقائد کی حفاظت بھی ضروری ہے اور احکام کی حفاظت بھی۔ ضرورت ہے کہ عقائد ان تمام تحریفات سے محفوظ رہیں۔ جو دوسرے مذاہب میں پیش آئیں اور جن کا اس امت میں بھی ہر وقت خطرہ ہے۔ ضرورت ہے کہ نبوت محمدی نے ذات و صفات باری تعالیٰ، توحید و رسالت، قضاء قدر، حشر و نشر، امور غیب اور وحی کے متعلق جو تشریح کی ہے اور ان کے جو حدود قائم کئے ہیں وہ باقی رہیں اس لئے کہ ان تمام مسائل کی بنیاد قیاس و تخمین پر نہیں بلکہ وحی و نبوت پر ہے اور نبوت محمدی نے تکمیل کر دی ہے۔

احکام پر عمل اسی طرح ہو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوا۔

شرعی احکام وعبادات میں ترمیم واضافہ (بدعات) سے محفوظ رکھا جائے۔ پرانے آسمانی مذاہب ان بدعات کی وجہ سے اس طرح مسخ ہوتے کہ اب ان کے انبیاء کے لئے مذاہب کا پہچاننا ناممکن ہے۔

پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ ان عقائد واحکام کی برابر اشاعت وتعلیم ہوتی رہے اس لئے کہ دین کا بقا اسی پہ منحصر ہے۔

اس کے علاوہ امت محمدیؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کی بھلائی کی تلقین (امر بالمعروف) اور برائی کی ممانعت (نہی عن المنکر) کرتی رہے ایک آیت میں امت کی پیدائش وظہور کا مقصد بتایا گیا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون باللہ۔ تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

لیکن یہ امت کا بحیثیت مجموعی فریضہ ہے اگر اس میں سے ایک معتدبہ جماعت یہ فرض انجام دے تو گویا پوری امت یہ فریضہ انجام دے رہی ہے اس لئے دوسری آیت میں امت کے ایک بڑے گروہ کا جس پر خود امت کا اطلاق ہو سکے یہ فریضہ بتایا گیا ہے مگر اس امت صغریٰ کا پیدا ہونا اور اس کو ان کا موقع دینا خود امت کبریٰ کا فرض قرار دیا گیا ہے فرمایا:

"ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر۔

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے۔ جو خیر کی دعوت دے نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

اس تقسیم عمل کے اصول کو یہ آیت اور زیادہ واضح کرتی ہے۔

وما کان المومنون ..... لعلھم یحذرون ط (اور یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ مومن سب کے سب نکل جائیں تو یوں کیوں نہ کریں کہ ہر جماعت میں سے چند اشخاص نکل جائیں تاکہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں سمجھ پیدا کریں۔ اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو خوف دلائیں تاکہ وہ کچھ خوف کریں)

نہایت آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا فرائض نظام شرعی کی حفاظت عقائد واحکام کو اپنے مقام پر رکھنا اور ان کو تحریف وبدعات سے بچانا شریعت کی اشاعت وتعلیم اور تبلیغ واصلاح کے فرائض قوم کا وہ طبقہ انجام دے سکتا ہے۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کے نظام شرعی کی حفاظت اور اس کے لئے ایثار وقربانی صرف وہ طبقہ کر سکتا ہے جس کی ذہنی اور عملی تربیت اس کے موافق ہوئی ہو جس کے رگ وریشہ میں اس نظام کی محبت اور اس کا

عشق و احترام پیوست ہوگیا ہو۔ اور جس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس کا یقین اتر گیا ہو۔ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب اس نظام پر کوئی ضرب لگائی گئی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو یہی طبقہ بےچین ہوا اور سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر آیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔ زید شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ محمد ذو النفس الذکیہ۔ ابراہیم بن عبداللہ کی قربانیاں اور سرفروشی اور اموی و عباسی محرف نظام سلطنت کے خلاف تحریک جہاد۔ اسلامی نظام کی حفاظت کی کوششیں ہی تھیں، پھر ان خونیں معرکوں کے مظلوم شہدا اگر عالم کہلانے کے مستحق نہیں تو روئے زمین پر پھر عالم دین کہلانے کا مستحق کون ہے؟ ان کے حامیوں اور مددگاروں میں بھی سرفہرست نام امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے

جب عباسی سلطنت کی طرف سے امت پر جبریہ خلق قرآن کا عقیدہ مسلط کیا جانے لگا تو اس خطرناک الحاد اور اس غیر اسلامی عقیدہ کے خلاف وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی کے مقابلہ میں دین کے لئے جو شخص تنہا میدان میں آیا وہ جماعت علماء کا ممتاز امام احمد بن حنبلؒ تھا جس کے عزم و استقامت اور ایمان کے سامنے حکومت وقت کو جھکنا پڑا۔ اور یہ عقیدہ تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں۔

تیسری صدی کے آغاز میں جب عباسی سلطنت کی غفلت سے بغداد میں سخت ابتری فسق و فجور اور بدامنی پھیلی تو دو عالموں خالد الدریوش اور سہیل بن سلامۃ الانصاری نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور قوت و جمعیت کے ساتھ من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ پر عمل کرنا شروع کردیا جس کی پاداش میں وہ دونوں گرفتار ہوئے اور قید کر دیے گئے۔

بعد کے زمانہ میں دو جلیل القدر عالم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام ابن جوزیؒ نے اسلامی نظام اخلاق کی حفاظت اور مسلمانوں کی روحانی و دینی اصلاح کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد اسلامی نظام کو اپنے مرکز اصلی پر لانے کے لئے عقائد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور صحابہ کے فہم کے مطابق سمجھنے کے لئے امام ابن تیمیہؒ نے جو علمی و عملی خدمات انجام دیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

ہمارے ہندوستان میں اسلام کے نازک ترین دور میں جب مورخ اسلام کے الفاظ میں "عجم کے ایک جادوگر نے بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی۔ اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امّی کے ذریعہ نبی امّی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو۔ مجوسیوں نے آتشکدے گرمائے۔ عیسائیوں نے ناقوس بجائے۔ برہمنوں نے بُت آراستہ کیے۔ اور جوگ و تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا" تو جو مسلمان مجاہد اس "فتنۂ اکبری" کے مقابلے کے لئے میدان میں آیا اور جس نے سلطنت مغلیہ کا رُخ ہی بدل دیا۔ اور جس کی عہد آفریں تحریک اور انقلاب انگیز تجدید نے اکبر کے گھرانے میں عالم گیر جیسا متشرع فرماں روا اور حامی دین پیدا کیا وہ علماء ہی کا سرتاج مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

اس کے بعد آج اس وقت تک ان عجمی دیار میں اس غریب الوطن عربی مہمان کی جس نے سرپرستی اور حفاظت کی اور ہوا کے طوفانوں میں اس چراغ کو جو بارہا چراغ سحری بنا گُل نہ ہونے دیا۔ وہ علماء دہلی کا مشہور بابرکت خاندان ہے۔ جس میں شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مجددانہ علمی کارناموں اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنی قربانی اور سرفروشیوں کی بناء پر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حفاظتِ دین۔ ردّ بدعات، اصلاح رسوم اور الحاد و زندقہ کے مقابلہ کا جتنا کام اس وقت ہوا اور اس وقت بھی ہو رہا ہے وہ سراسر اسی طبقے سے ہو رہا ہے۔

اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ ایک صاحب شریعت و کتاب قوم بن کر رہنا ہے تو مذہب کے محافظین و عاملین اور شریعت کے ترجمان و شارحین کی ضرورت ہے۔ جو ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں۔ اور یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافت راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس اور تربیت گاہوں کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہنچتا رہے۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلا سکیں۔ اگلوں کی جگہ لے سکیں۔ اور اس مشین میں فٹ ہو سکیں اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمہ دارانہ عہدوں کے لئے دیندار، امین اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔

لیکن اگر کسی ملک میں بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کر سکتی ہے۔ اور حفاظت دین کا فریضہ انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف جماعت علماء ہے چنانچہ اسی نکتہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور دینی درس و تدریس کا نظام قائم کیا جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں۔ اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ عملی حیثیت سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے۔ جہاں برائے نام اسلامی سلطنت موجود ہے۔ مگر وہاں آزاد مدارس کا کوئی نظام یا خاندان ولی اللہی کی شان کے علماء نہیں پیدا ہوئے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحب فراست علماء نے جا بجا اسلام کی شریعت و تہذیب کے قلعے تعمیر کر دیئے۔ انہی قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت و تہذیب انہیں قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری قوت و استحکام انہی قلعوں پر موقوف ہے۔

Adarts CAR-3/79

بسلسلۂ جشنِ صد سالہ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند اور اردو ادب

مولانا محمد انیس الاسلام القاسمی فاضل دیوبند

میرے ایک عزیز شاگرد جو دارالعلوم کے فاضل ہیں۔ ایک مضمون اکابر دارالعلوم کے اردو ادب کی خدمات پر تحریر کیا ہے۔ یہاں یوپی کے اجلاس کے موقع پر پڑھا گیا اور پسند کیا گیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس موضوع پر مستقل کتاب تیار کی جائے۔ الحق کی قریبی اشاعت میں شائع فرمانے کیلئے ارسال کر رہا ہوں۔ (سید انظر شاہ کشمیری دیوبند)

ہندوستان میں عظمتِ اسلام کا مینار، رفعتِ دینی کا ہمالہ۔ دارالعلوم دیوبند جس پس منظر میں قائم ہوا وہ سب ہی کو معلوم ہے۔ ۱۸۵۷ء کی اتھل پتھل نے ہندوستانیوں کو صرف اقتدار سے محروم نہ کیا تھا بلکہ برطانوی تسلط نے اس سرزمین کو نصرانیت کے پھیلاؤ اور اسکی اشاعت کے لئے ایک زرخیز علاقہ سمجھا چنانچہ جزء وکل پر محیط ہونے کے بعد ہندوستان میں مسیحی مشنریاں یہاں کے بڑے بڑے شہروں میں تبلیغ کے لئے پھیل گئیں۔ انگریز قوم کے تدبر ومال اندیشی کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ غلام ہندوستان کو "لقمۂ تر" سمجھنے میں ان سے بھاری غلطی ہوئی وہ یہ سمجھے تھے کہ ہندی مسلمانوں سے اقتدار وآزادی چھیننے کے ساتھ ان کی دینی روح پر بھی ان کے غاصبانہ حملے کامیاب رہیں گے۔ لیکن حالات کے مد وجزر نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ ان کا یہ فیصلہ غلط اور دور اندیشی سے بمراحل دور تھا۔ چنانچہ پٹا پٹا یا مسلمان نصرانیت کی اشاعت کے مقابل سینہ تان کر کھڑا ہو گیا، جابجا مناظرے ہونے لگے اور لیظہرہ علی الدین کلہ۔ کے ترجمان، نصرانیت کے پشتارہ اٹھاکر آنیوالوں کو شکست فاش دینے لگے ـــــ مولانا رحمت اللہ کیرانوی المغفور کی جد وجہد اس تابناک تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ ہے کہ انہوں نے اپنے حریف پادری کو استنبول میں بھی چین سے وقت گزارنے نہیں دیا۔ حالات کا یہ انقلاب جو آندھی بنکر مغرب سے اٹھا اور ہندوستان کے میدانوں میں پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ علماءِ ہند نے انہیں سکرانی لمحات میں الہند میں اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے جو کچھ سوچا وسمجھا اسکی مکمل تصویر دارالعلوم دیوبند ہے۔

دین ودانش، علم ومعرفت، عرفان وسلوک، جہادِ فی سبیل اللہ، اور اعلاءِ کلمۃ الحق کا یہ مظہر اتم ایک صدی سے

زائد گزرتا ہے کہ عالم اسلام کو وہ روشنی بہم پہنچا رہا ہے، جو فاران کی چوٹیوں سے کائنات پر ضو فگن ہوئی تھی۔

صوبہ یو۔پی کے اس عظیم اجلاس میں چونکہ یہ تفصیل میرے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی اس لئے اسکو چھیڑے بغیر اپنے موضوع سے قریب تر کرنے کے لئے راقم السطور کا ایک سوال ہے ؟ —— وہ یہ کہ اسلام کی دینی و مذہبی زبان عربی ہے۔ اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی یادگار فارسی ہے، پھر یہ کیا بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے اپنا ذریعۂ تعلیم نہ عربی کو بنایا کہ حدیث و قرآن و فقہ بلکہ تمام ذیلی علوم اس زبان میں مدون و مرتب تھے۔ اور نہ فارسی ہی بطور ذریعۂ تعلیم اختیار کی گئی کہ وہی اس وقت کی علمی زبان تھی۔ آخر اردو ہی کو دارالعلوم کی تعلیمی زبان کیوں بنالیا گیا درآنحالیکہ سوا سو سال پہلے جو دارالعلوم کا تاسیسی دور ہے۔ اردو کا ارتقائی دور ہے جبکہ یہ زبان اپنے نوک پلک کے درست کرنے اور اپنے خط و خال کے آراستہ کرنے میں مصروف تھی، کیا آپ اسے بخت و اتفاق کا نتیجہ یا ایک غیر سوچی سمجھی اسکیم کا جزء قرار دے سکیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حقائق کو حقیقی چوکھٹوں سے دیکھنے کی بصیرت سے ابھی ہم محروم نہیں ہوئے تو جو کچھ ہوا اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا حالانکہ اسی دارالعلوم دیوبند کے تیز گام علمی کارواں کے قافلہ سالار حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ایک جانب طلباء کے سامنے یہ اظہار خیال فرماتے کہ :

> "میں نے اپنے ذوق علمی کو محفوظ رکھنے کے لئے عربی میں لکھا ہے یا فارسی میں بلکہ اپنی نجی خط و کتابت کی زبان بھی فارسی ہی کو منتخب کیا۔"

لیکن چند ہی سال کی گردشوں میں ان ہی مرحوم سربراہ دارالعلوم نے اپنے ایک عزیز شاگرد کو جبکہ انہوں نے عربی میں ایک مقالہ لکھ کر تصحیح کے لئے پیش کیا۔ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ :

> "مولوی صاحب ہندوستان میں اگر اسلام اور دین کی کوئی خدمت پیش نظر ہے تو اردو میں لکھیئے پڑھیئے۔"

عربی و فارسی پر طویل جمادؔ کے بعد نگہ و نظر میں یکایک یہ تبدیلی کسی اہم تاریخی حقیقت کا سراغ دیتی ہے! اور اب یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہی کہ جس طرح دارالعلوم کا قیام الہامی اشارات پر عمل میں آیا تھا۔ عربی و فارسی کے بالمقابل اردو کو ذریعۂ تعلیم بنالینا یا کسی خاص الہام کا نتیجہ تھا یا ان اکابر کی گہری و دبیز بصیرت و فراست کا تقاضا! کہ ان حضرات نے دھندلے نقوش کے پس منظر میں اس حقیقت کو تاڑ لیا تھا کہ اب ہندوستان میں نہ عربی کے پھریرے اڑ سکیں گے اور نہ فارسی کے چرچے باقی رہیں گے۔ آج آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دارالعلوم کی افادیت اور اس کے علم و دانش کا دائرہ کار اردو کو چھوڑ کر کسی اور زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے نتیجہ سے کتنا محدود اور سمٹا ہوا ہوتا۔

بہرحال اس سوا سو سالہ طویل وقت میں دارالعلوم نے اردو ادب کی ایک وقیع اور پُر وقار خدمت انجام دی۔

اس میں شعر و شاعری بھی ہے، انشاء و نثر نگاری بھی، تصنیف و تالیف بھی اور خطابت بھی، عربی کتابوں کے تراجم بھی ہیں اور ماہانہ ہفتہ وار اخبارات و رسائل بھی، مطالعہ بھی ہے اور اشاعت کے انتظامات بھی ۔۔۔ وقت محدود ہونے کی بنا پر دارالعلوم کی اردو خدمات کا ایک مختصر جائزہ یہ ہے۔

سید الطائفہ حضرت الحاج مولانا امداد اللہ قدس سرہ کی اردو تصانیف اور انکی جاندار و پرسوز شاعری بلاشبہ اردو کے اس دور میں جبکہ اسکی تحقیق و تشریح ہو رہی تھی نادر حیثیت کی مالک ہے۔ پھر ان کے مسترشد حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اردو تصانیف، مجموعہ مکاتیب اور البیلی شاعری تو سبھی پروگرام کا ایک شاہکار ہے۔ حضرت موصوف کے بعض اشعار تو اردو کے قدآور شعراء کے دوش بدوش رکھے جا سکتے ہیں۔ ان اشعار میں نسیم ریاض مدینہ بھی ہے اور گلبانگ حرم بھی، بہار کا شباب بھی ہے اور نزاکت اظہار بھی ۔۔۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی اولین صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی سوانح اس وقت لکھی جب خود اردو ادب سوانح نگاری کے مثالی نمونوں سے خالی تھا، لیکن یہ تالیف بھی اردو ادب کا بہترین نمونہ ہے۔

دارالعلوم کی دوسری بلند و بالا شخصیت حضرت مولانا گنگوہی مرحوم کا جو سرمایہ نگارش آج موجود ہے وہ صرف ہمارے کتب خانۂ علم کی زینت ہی نہیں بلکہ آراستہ و پیراستہ اردو کا ایک نمونہ ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ اردو میں صاحب تصانیف بلکہ اردو شاعری میں ایک درد انگیز طرز کے اپنانے والے ہیں۔ "ایضاح الادلۃ" میں حریف کی جو چٹکیاں لی گئیں وہ اردو کے ایک خاص اسلوب کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کی تصنیف لطیف "اشاعت اسلام" یا ان کا خطبۂ صدارت برائے اجلاس جمعیۃ العلماء آج بھی اپنی رواں دواں اردو کے لئے نمایاں ہے اور سب ہی کی متعارف شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی الغفور تو اردو کی اشاعت کے لئے ایک ہزار تصانیف کا پشتارہ رکھتے ہیں، آپکی سادہ و عام فہم زبان، سہل نگاری و سلاست اور افہام کی چیز ہے۔ بہشتی زیور نے گھر گھر پہنچ کر اردو کی مقبولیت پر اضافہ کیا اور آپ کی تصانیف کے کئی ایڈیشن اس فہم میں نمایاں کردار رکھتے ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہوگا کہ آپ اردو شاعری کے ذوق سے بھی بہرہ ور تھے۔ اپنے خاص مسترشد مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض جواب اردو شاعری میں دیتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے حواشی قرآن اور ان کا اردو میں تالیفی سرمایہ میاں اصغر حسین رح کی اردو نگارش، مولانا اعزاز علی صاحب رح کے مضامین، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کی خود نوشت سوانح بنام "نقش حیات" اپنے جلیل القدر استاد کا تذکرۂ حیات معلوم چیز ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم، مولانا ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا حفظ الرحمان مرحوم، مولانا محمد میاں مرحوم، مولانا محمد طاہر مرحوم، سب اسی قافلہ کے شریک سفر اشخاص و رجال رہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی تو اردو میں ان کی چابکدستیاں، زود نویسی،

وقیع معلومات کا افادہ، موشگافیوں کا ابھار ان کا خصوصی ہنر ہے۔

زندہ لوگوں میں مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا منظور صاحب نعمانی، مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، مولانا نسیم احمد فریدی، مولانا احمد رضا بجنوری، مفتی عزیز الرحمان صاحب بجنوری، مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی اور اندرون دارالعلوم مولانا محمد سالم صاحب، مولانا سید انظر شاہ صاحب، مولانا وحید الزمان صاحب، مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد سعید صاحب پالنپوری، مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، اردو میں لکھنے والے اور سچی سجائی اردو لکھنے والے ہیں، ان حضرات نے اردو کے علمی و ادبی سرمایہ میں جو رنگا رنگ اضافہ کیا ہے اسکی قدر وقیمت کا کون انکار کر سکتا ہے۔

تراجم وتشریحی سرمایہ پھر ان حضرات میں سے اکثر وہ بھی ہیں جنہوں نے عربی وفارسی کی تصانیف کو اردو میں منتقل کیا مثلاً مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی کی "مصباح اللغات" مولانا انظر شاہ صاحب کا اردو ترجمہ برائے تفسیر ابن کثیر، تفسیر مدارک، حواشی بر تفسیر حقانی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تکمیل الایمان کا اردو ترجمہ مولانا محمد نعیم صاحب کا اردو ترجمہ برائے جلالین۔ مولانا خورشید عالم صاحب کے بعض تراجم اردو، مولانا سید حسن مرحوم کی اردو شروحات مولانا احمد رضا کی انوار الباری، مولانا ریاست علی صاحب کی ایضاح البخاری، مولانا محمد طاہر صاحب امروھوی کی معارف مدینہ، مولانا عبداللہ جاوید صاحب کی شرح مشکوٰۃ، مولانا محمد اسلم صاحب کا مجموعہ سیرت یا سیرت حلبیہ کا مسلسل ترجمہ، مولانا ظہور الباری اعظمی کا مکمل اردو ترجمہ جواہر البحور، اردو ترجمہ برائے مطلع السعدین وغیرہ اردو کی توسیعی مہم میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان حضرات نے ان عنوانات کو بھی کام کے لئے منتخب کیا جن سے اردو کا دامن بھر پور نہیں تھا۔ دینیات پر طویل وعریض کام کرنے کے ساتھ سوانحی تذکرے، علمائے اسلام کی داستانیں بھی ان ہی کے قلم سے نکلیں، دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل مولوی محمد حنیف گنگوہی کی ظفر المحصلین یا تذکرۃ المصنفین آج ہر درسگاہ میں سرمایۂ کتب کے تعارف کا بہترین ذریعہ ہے۔ ادر تو اور منطق میں باقاعدہ تالیفات کے ساتھ مولوی انوار صاحب کاکاخیلی کی "انوار العلوم شرح سلم العلوم" سابق استاذ دارالعلوم مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی مرحوم کی شرح ملاحسن، اور موصوف ہی کا ترجمہ مع تشریح مقدمۂ مسلم، مولانا عزیز احمد صاحب بی، اے کی جنرل سائنس، حکیم عزیز الرحمان صاحب کی وہ طبی ڈکشنری جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے اور عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے۔ تصوف وسلوک ملفوظات اولیاء اور اہل اللہ کے سوانحی خاکوں میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروھوی کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے، مجلہ الفرقان کی بیشتر اشاعت ان کے ان مقالات سے خالی نہیں جن میں وہ خانقاہ نشین صوفیاء کے عرفانی مناظر پیش کرتے ہیں۔ والقصۃ بطولہا

مضمون نگار اور شعراء اور خدا جانے مضمون نگار تو کتنے ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی مقالات دنیں

نگارشات سے اردو کی لازوال خدمت کی ہے۔ ہند و پاکستان کے علمی رسائل وجرائد اس دعوے کا بہترین ثبوت ہیں شعر و شاعری میں بھی فضلائے دارالعلوم کا قدم پیچھے نہیں۔ بعض فضلاء نے تو اپنی پرشباب شاعری کے لئے نہ صرف اہل نظر سے داد حاصل کی ہے بلکہ حکومت کی جانب سے قدرشناسی کے مظاہرے بھی ان کے حصہ میں آئے چنانچہ دارالعلوم کے ایک استاد مولانا ریاست علی صاحب کا تازہ مجموعۂ کلام "نغمۂ سحر" انعام بھی حاصل کرچکا گویا کہ اس خاص صنعت میں بھی زلف اردو کو بنانے اور سنوارنے میں ان کی سرگرمیاں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

رسائل وجرائد | پھر یہی نہیں بلکہ فضلاء دارالعلوم علمی جرائد و رسائل سے بھی اردو کی خدمت کرتے رہے اور اس طرح اسکی توسیع واشاعت کے میدان کو وسیع تر کر دیا۔ دارالعلوم کے قدیم دور میں مجلہ القاسم، الرشید، المحمود اور اس کے ایک خاص عہد کی یادگار اخبار مہاجر و انصار، حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کا النور، مفتی محمد شفیع صاحب کا المفتی، مولانا محمد میاں مرحوم کا خالد، مولانا سلطان الحق صاحب کا استقلال، مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا برہان، مولانا منظور نعمانی کا الفرقان، مولانا قاضی زین العابدین صاحب کا الحرم، مولانا سید انظر شاہ صاحب کا نقش اور مولانا محمد سالم صاحب کا میثاق، مولانا وحید الزمان صاحب کا القاسم، مولانا اسعد صاحب مدنی کا تذکرہ، نئی نویلی سلطنت پاکستان میں فضلاء دارالعلوم دیوبند کے علمی شاہکار اور مزین مجلات میں بینات کراچی جسکی ادارت مولانا یوسف صاحب بنوری فرماتے۔ مولانا سمیع الحق صاحب اکوڑہ خٹک کا الحق، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا البلاغ، ساہیوال سے شائع ہونے والا الرشید جسنے حال ہی میں دارالعلوم نمبر نکال کر اردو صحافت میں ایک نئی چمن بندی کی۔ مولوی زبیر صاحب و مولانا عامر صاحب کا تجلی اور رشائق عثمانی کا عصر جدید۔ مولانا اسحاق علی کا سیاست اور ذکر کیوں چھوڑئے الجمعیت کا کہ وہ بھی فضلاء دارالعلوم کا ایک کارنامہ ہے۔ مولوی عبداللہ جاوید صاحب کا مرکز اور پھر ان رسائل و اخبارات کو بھی لے لیجئے جن میں فضلاء دارالعلوم بحیثیت مدیر یا شریک ادارت کام کرتے رہے۔ چنانچہ مولانا تاجور نجیب آبادی کا ادبی دنیا جس سے محترم قاضی زین العابدین صاحب کی بھی وابستگی رہی، مولانا مظہر الدین صاحب شیرکوٹی کا الامان و وحدت، بجنور کا مشہور اخبار مدینہ جس سے مولانا حامد الانصاری اور مولانا اصلح الحسینی بحیثیت مدیر متعلق رہے۔ یا بمبئی کا وہ روزنامہ جسکی ادارت کی ذمہ داریاں غازی صاحب سے متعلق تھیں۔ حیدرآباد کا نوید دکن جس کے ادارتی زمرہ میں مولوی رضوان صاحب دربھنگوی شامل ہیں۔ کبیر الدین صاحب فوزان کا پائل اور پھر یہی کا مجلہ افکار مولوی فضیل الرحمان ہلال عثمانی کا تعمیر سیرت، اور اس کے علاوہ دارالعلوم کے دوسرے نایاب و اہل قدر افراد کے جاری کئے ہوئے اخبارات و رسائل۔ لیجئے دارالعلوم کے مشہور آرگن ماہنامہ دارالعلوم کا ذکر تو چھوٹا ہی جاتا ہے جو تقریباً تیس برس سے زائد عرصہ گذرتا ہے کہ اردو کے لئے مسلسل کام کر رہا ہے۔

کتب خانے اور مطابع | پھر اس طرف بھی نظر ڈالیے کہ کتنے وہ کتب خانے، مطابع اور اکیڈمیاں ہیں جو فضلاء دارالعلوم نے قائم کیں دہلی میں موجود ندوۃ المصنفین بسیادت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب ہندو پاکستان کی کسی بھی مشہور اکیڈمی سے آنکھیں ملانے کے لئے تیار ہے۔ مکتبہ "الفرقان" میرٹھ کا مکتبہ علمیہ دہلی کا کتب خانہ رشیدیہ، مولانا سمیع اللہ صاحب مرحوم کا مکتبہ عزیزیہ دیوبند میں کتب خانہ قاسمی، مطبع قاسمی، تاج المعارف، بیت الحکمت، خضر راہ بکڈپو، مکتبہ تجلی، مکتبہ مرکز، مکتبہ اعزازیہ، مطبع مصطفائی، کتب خانہ وحیدیہ، مولانا سید حسن صاحب استاذ دارالعلوم کا کتب خانہ مکتبہ رحمت، مولانا اسعد صاحب مدنی کا کتب خانہ دینیہ، اردو کے فلک سے باران رحمت کا منظر پیش کرتے ہیں اور سامنے رکھئے دارالعلوم کے پیدا کردہ ان بلند پایہ خطباء و واعظین کو جنہوں نے اپنی پرجوش خطابت، عالمانہ مواعظ، قادر الکلامی، اور جادو بیانی کے مناظر ہند و بیرون ہند میں پیش کر کے نہ صرف دارالعلوم کی عظمتوں میں اضافہ کیا بلکہ اردو کا بول وہاں بھی بالا کر آئے جو نہ اردو کا وطن، نہ اسکی زمین، نہ اس کا آسمان اور نہ اس کا مسقط الراس ہے۔

غرضیکہ یہ ایک مختصر جائزہ ہے دارالعلوم اور فضلاء دارالعلوم کی ان خدمات کا جنکا تعلق اردو کو پھیلانے بڑھانے اور مقبول عام بنانے سے ہے۔ اردو کا وہ طبقہ جو اردو کی بقاء تحفظ کے لئے سرگرم کار ہے۔ دارالعلوم سے یہ شکایت نہیں کر سکتا کہ اس نے اردو کے بارے میں سرد مہری کا رویہ اپنایا۔

عالم اسلام کے اس عظیم ترین دانش کدہ نے اردو ادب کو جس طرح مالا مال کیا اس پر ابھی مفصل تو درکنار مختصر کام بھی نہیں ہو سکا کاش کہ کوئی اسی عنوان پر دارالعلوم کے عظیم کارناموں کو متعارف کرا سکے تو یہ مادر علمی کی ایک بہترین خدمت ہوگی۔

بقیہ: تصوف و سلوک

کھڑکی کھل جائے گی۔ اور اس کھڑکی سے اللہ تعالیٰ کے فیض کا آفتاب طلوع ہونے اور چمکنے لگے گا۔ اور مشرق سے مغرب تک کا ہر ذرہ جو ہے۔ وہ اس کے انوار سے بہرہ ور ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا نور سب سے پر پڑتا ہے اگر کسی گھر میں کھڑکی نہ ہوگی تو وہ نور کے آنے سے محروم رہے گا۔ لہٰذا اگر دل اس کے حضور میں حاضر ہے۔ اور کھڑکی اس کی طرف کھلی ہوئی ہے تو نور فیض اسے اس کھڑکی سے گزر کر پہنچے گا۔ اگر وہ غافل ہے تو نور اس سے دور رہے گا۔

دوست ہر لحظہ در تو نظر می کند

چوں تو از وے غافلی از تو گذر می کند

یعنی ہر لحظہ دوست تیری طرف کرم کی نظر کرتا ہے جب تو اس سے غافل ہوتا ہے تو یہ نظر کرم تجھے محروم چھوڑ کر گذر جاتی ہے

(ترجمہ از ملفوظات فارسی)

دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا لطافت الرحمان صاحب سواتی جامعہ اسلامیہ بابوزئی

دیوبندُ اکبرُ مرکزٍ لجہادِ ... نُتفوِّقت بشرافۃٍ بلادِ
بکرامۃٍ وشہامۃٍ وسعادۃٍ ... بین البقاع تلالہا وہادِ
قد خصّہا ملکُ الوریٰ بمکارمٍ ... وعوارفٍ وعواطفٍ وایادی
بعظیم نعمتہٖ اقامۃِ دینہٖ ... بناء مدرسۃٍ بذات السوادی
واءٍ تقدّس بل تعظّم حرمۃً ... اُختیر للتعلیم والارشادِ
فہناک ینبوع المعارف فتجری ... بزلالہ لیشتفی غلیل الصادی
لا بل ہو البحر الخضمّ تموّجاً ... امواجہ سامت الی الاجداد
فالعلم شاع وذاع کلّ مواطنٍ ... فی الارض من دیوبند ذاتِ عماد
دیوبند مرکز علم دینِ المصطفیٰ ... والعروۃُ الوثقیٰ سدی اسناد
دار العلوم بدیوبندَ بناءُ ہا ... من قاسم الخیرات مولیً ہادی
وتخرّجَ الکملاءُ من فیضانہا ... زادوا من الاحصاء والتعداد
کلٌّ ائمۃُ دہرِہم بعلومہم ... بلغوا اقاصی مبتغیً لعباد
احیوا بجہدہم البلیغ وکدّہم ... سنن النبی بدعوۃ ورشاد
فہم رجال العلم اصحاب التقیٰ ... وکبار اہل اللہ کالاطواد
وتدارسوا درس العلوم جمیعہا ... وتمدّدوا تحریرہا بمداد
ہم صنّفوا اسفار علم والہدیٰ ... فیہا جلاء غیاہبٍ ورآدی
وبہا ضیاء قلوب اہل العلم فی ... قربٍ من الاوطان والابعاد
وبہا صلاح الدین والدنیا معاً ... وبہا ازالۃ ایّ نسمٍ بناد
فالدرس والتبلیغ والفتویٰ معاً ... کلٌّ لہم کالروح للاجساد
وتلمذت من دیوبند افاضلٌ ... قد وُفّقوا توفیقَ کل سداد
فہم شموس فی سماء ہدایۃٍ ... وہم الہداۃُ الی سبیل مراد
ومرادہم مرضاۃ ربٍّ خالقٍ ... کلَّ العوالم ثم سبعَ شداد
وہم الذین لہم بقایا صالحہ ... عمّت جمیعَ حواضرٍ وبوادی
وبذکرہم لیس یسلو خاطرٌ ... وکذا الحالُ للجمیع ینادی
ولطافت الرحمٰن معتقدٌ بانْ ... نَ محبۃ العلماء خیر الزاد

ٹینڈر نوٹس

اچھی شہرت کے حامل پری کوالیفائیڈ انجینئرنگ فرموں اور محکمہ تعمیرات عامہ کے اے کلاس ٹھیکیداروں سے مندرجہ ذیل کام کے لئے سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں :-

کام کی نوعیت	تخمینہ لاگت	زرِ ضمانت کال ڈیپازٹ کی صورت میں
میل ۱۵ مردان صوابی روڈ میں اوینہ کازوے پر پل کی تعمیر	60 لاکھ روپے	1.25 لاکھ روپے

کام کے متعلقہ ضروری کوائف ۲۵ - ۱۱ - ۷۹ کے بعد کسی بھی دن اوقات کار کے دوران ایکس ہائی وے ڈویژن مردان کے دفتر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

سربمہر ٹینڈر مورخہ ۱۰-۱۲-۷۹ کو ۱۱ بجے تک زیر دستخطی کے دفتر میں وصول کئے جائینگے۔ اور اسی دن ۱۱½ بجے کھولے جائیں گے۔

انعام اللہ خان
ایگزیکٹو انجینئر ہائی وے ڈویژن
مردان

INF (D) 2644

تصوف و سلوک

از مولانا عبدالرشید خلف خواجہ محمد نور بخش

ملفوظات

حضرت مرشدنا خواجہ مولانا بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ

۱۔ ذکرِ الٰہی سے مقصود غفلت کا دور کرنا ہے۔ ذکر میں غفلت دور ہو جانے کے بعد اگر خاموش رہے (اور دل کو متوجہ الی اللہ رکھے) تب بھی ذکر کرنے والا ہے۔

۲۔ ہر حال میں دل کی نگرانی کا خیال رکھنا چاہئے۔ کھانے پینے، بولنے سننے، چلنے پھرنے، تلاوت قرآن مجید کرنے، لکھنے پڑھنے اور وعظ کرنے وغیرہ کے وقت اللہ تعالیٰ سے ایک پلک کے جھپکنے جتنا بھی غافل نہ رہنا چاہئے تاکہ مقصود و رضائے الٰہی حاصل ہو جائے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

یعنی ایک پلک جھپکنے جتنا بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہئے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت بھی وہ تیری طرف نظرِ کرم کرے اور تو غافل رہنے کی وجہ سے محروم ہو جائے۔

۳۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا یَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

اُمت سے آپ کی مراد امت کے وہ لوگ ہیں جو آپ کی پیروی اور متابعت کرتے ہیں اور وہ لوگ مراد نہیں جو پیروی نہیں کرتے (صرف ایمان ہی لے آئے ہیں۔

۴۔ ہمارا طریقہ نادر و عروۃ الوثقیٰ ہے۔ اس میں سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدرجہ کمال اقتدار کرنا اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنا ہے۔ اس راستہ میں ہم کو محض فضل ایزدی سے لایا گیا ہے۔ آخر تک ہم اس کے فضل کا مشاہد

کرتے ہیں اور نہ اپنے عمل کا۔ ہمارے اس طریقہ میں تھوڑے عمل سے بہت سی فتوحات ہیں۔ مگر اتباع کی رعایت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ ہمارے طریقہ سے جو شخص روگردانی کرے گا اس کے لئے دین کی خرابی کا اندیشہ ہے۔

۵۔ توکل کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو توکل کرنے والوں میں شمار نہ کرے اور اپنے توکل کو اسباب کے استعمال میں پوشیدہ کر دے۔

۶۔ شمع کی مانند بنو۔ مگر شمع کی طرح نہ رہو۔ یعنی شمع دوسروں کو روشنی دیتی ہے اور خود تاریک رہتی ہے تم ایسے مت بنو خود بھی فائدہ حاصل کرو اور دوسروں کو بھی پہنچاؤ۔

۷۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے صورتوں کا مسخ ہونا (بگڑنا) تو اس امت سے اٹھا لیا گیا ہے۔ مگر مسخِ باطن" (دل کی خرابی) باقی رہ گئی ہے۔

اندریں امت نباشد مسخِ تن   لیک مسخِ دل بود اے ذوالفطن

(اس امت میں بدن کا مسخ ہونا نہیں ہے۔ مگر اے عقلمند سن لے کہ دل کا بگڑ جانا باقی ہے۔ لہذا بداعمال کی پاداش سے ڈرتے رہنا چاہیے)

۸۔ نیت کا صحیح ہونا ہر کام میں نہایت ضروری ہے۔ نیت بخشش الٰہی ہے۔ اس میں کسب کا کچھ تعلق نہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بڑی خلوص نیت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ مگر اس حقیقت کے باوجود آپ فرماتے تھے کہ لَمْ يَحْضُرْ فِي نِيَّتِي مجھ کو ابھی خلوص نیت کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا ہے۔

۹۔ آپ نے امت کے طالبوں کو فرمایا کہ کیا میری یہ کرامت کچھ کم ہے کہ باوجود اتنے زیادہ گناہوں کے میں زمین پر چل پھر رہا ہوں۔

۱۰۔ کھانا خوب اچھی طرح کھانا چاہئے اور (دینی) کام بھی خوب اچھی طرح کرنا چاہئے۔

(از انوار العارفین صوفی سید محمد عابد میاں)

۱۱۔ سلوک کی راہ پر چلنے والے کو ہمیشہ "روش و کوشش" کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

"روش" سے مراد یہ ہے کہ اہل اللہ کے ادب کا خیال رکھا جائے۔

"اور کوشش" یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کام جو اس سے معلوم ہیں۔ ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور جو بات دوسروں کو کہی جائے اول اس پر خود عمل کیا جائے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصف آیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ـــ اور یہ کام مشکل ہے۔   (از رسالہ قدسیہ)

۲ . حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میری استاد ایک بلی تھی۔ ایک دن میں نے اسے دیکھا کہ چوہے کے بل پر اس طرح متوجہ ہو کر بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کے بدن کے بال تک بھی نہ ہلتے تھے۔ میں نے تعجب کی نظر سے اسے دیکھا اچانک باہر سے آواز دی گئی کہ اے کم ہمت تو اپنے مقصود میں اس بلی سے کم نہیں لہذا تو اللہ تعالیٰ کی طلب میں بلی سے کم تر نہ بن۔ اس دن سے میں مراقبہ کرنے لگ گیا ۔

دانی کہ مرا یار چہ گفتہ است امروز　　جز ما بہ کسے درنگر و دیدہ بدوز

یعنی تجھے خبر ہے کہ آج میرے دوست نے مجھے کیا کہا ہے؟ اس نے فرمایا ہے کہ میرے سوا کسی کی طرف نہ دیکھ صرف میری طرف متوجہ رہ اور دوسروں کی طرف دیکھنے سے آنکھیں بند کر لے ۔　(ایضاً)

۱۳ . طاعت سے جنت ملتی ہے اور طاعت کا خیال رکھنا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ حضرات کامل مشائخ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں اپنے باطن کو تصفیہ اور تزکیہ میں مشغول رہ کر صاف کرنا چاہیئے تاکہ دوام مراقبہ حاصل ہو جائے۔ خبردار ہر عمل صالح بجا لاتے وقت آداب کا خیال رکھیں ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

(یعنی بیمار جو لیتا ہے، وہ بیماری ہی پیدا کرتا ہے)

اور طاعت میں جولاہے کے شاگرد سے کم ہمت نہ ہونا چاہیئے - وہ بہت مدت میں دھاگوں کو پیوند کرنا سیکھتا ہے۔ اور دوسرے سب کاموں کا بھی یہی حال ہے لہذا طالب حق کو پوری جد و جہد اور کوشش کر کے "نفی خواطر" کرنی چاہیئے اور اسے جاننا چاہیئے کہ نفی خواطر کس طرح کی جاتی ہے - وہ یوں ہے کہ ابتداء میں سوائے نفی خواطر کے اور کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔

۱۴ . ہمیشہ یادِ حق سبحانہ میں لگے رہیں تاکہ سب چیزوں سے زیادہ یہ شغل بڑھ جائے۔ حق سبحانہ سب سے زیادہ لطیف ہے جس شخص میں جتنی زیادہ لطافت ہوگی وہ اتنا ہی ذکر حق سبحانہ میں زیادہ مشغول ہوگا۔

۱۵ . ہر سانس جو گزر رہا ہے وہ گویا ایک خزانہ ہے جو ہاتھ سے جا رہا ہے - اس حقیقت سے واقف ہونا چاہیئے حق تعالیٰ حاضر و ناظر ہے - لہذا اس سے شرم کرنی چاہیئے اور اس سے غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے -

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ　(الاحزاب آیت ۴)

ترجمہ . اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔ یعنی جسم کے اندر ایک ہی دل ہے - دو دل نہیں ہیں کہ ایک دل کو دنیا میں مشغول رکھا جائے - اور دوسرے کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا جائے اس کے اندر تو ایک ہی دل ہے - اگر اس کو دنیا میں مشغول رکھو گے تو اللہ تعالیٰ سے بے بہرہ رہو گے ۔ اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے رکھو گے تو دل کی اللہ تعالیٰ کی طرف

باقی صفحہ ۲۰ پر

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی
صدر کل ہند مسلم مجلس مشاورت ناظم ندوۃ المصنفین
دہلی

یہ مقالہ نفاذ شریعت کانفرنس اسلام آباد
میں پڑھا گیا

اسلام میں تعلیم

تعلیم کی اہمیت کو آج جس شد و مد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ ماضی بعید میں اسی قدر شد و مد کے ساتھ اس کی مذمت کی جاتی تھی اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ اور اس کے علمبرداروں کو نشانہ ستم بنایا جاتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ تاریخ میں ایسے بھی ادوار گذرے ہیں جب تعلیم و تعلم کو معاشرہ کا ناسور بتایا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں جب ہم زیادہ تفصیل میں جاتے ہیں تو ہم پر اس کے تعلق سے مختلف قوموں کے عبرت ناک رویوں کا انکشاف ہوتا ہے۔

روم میں عیسائی تسلط کے بعد علم و اہل علم پر تباہی کا جو دور گذرا ہے وہ تاریخ کی بدترین مثال ہے۔ دین کے نام پر ہر غیر مسیحی وجود کو فنا کرنے کا عمل شروع کر دیا گیا۔ علوم و فنون کے تمام ذخیرے تلف کر دئے گئے۔ قدیم مصر کے پایہ تخت میمفس اور عین الشمس کے کھنڈرات آج بھی اس قیامت پر نوحہ کناں ہیں۔ مصری شہر اسکندریہ جو کبھی گہوارہ علم بنا ہوا تھا جب سلطنت روما پر مسلط ہوا ہے تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ ہاں ہیپیشیا نام کی ایک عورت اپنے وقت کی مایہ ناز عالمہ تھی۔ زمانہ کے عیسائی و یہودی سارا اس کی شاگردی کے خواہاں رہتے تھے۔ وہ بھی عیسائیت کے پنجۂ استبداد سے نہ بچ سکی۔ پادریوں نے ہی اپنے مقدس عصائے پطرس کی ضربوں سے اس کے سر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ اور اس کے نازک جسم کا بری طرح مثلہ کرکے نذر آتش کر دیا گیا۔

سکندر مقدونی کی سلطنت اس کے تین سپہ سالاروں میں تقسیم ہوئی تو مصر بطلیموس کے حصہ میں آیا۔ اس کی علم دوست اولاد نے مصر کو علوم و فنون کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مصر کا پایہ تخت اسکندریہ میں ایک بے مثال کتب خانہ کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں رفتہ رفتہ سات لاکھ کتابیں جمع ہو گئیں۔ جن میں سے آدھی تو جولیس سیزر نے جلا دی اور باقی جو کتابیں بچیں وہ عیسائیوں کے دور اقتدار میں تلف کر دی گئیں۔ اس کتب خانہ کی تباہی کو مسلمانوں کا عمل قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس الزام کو بہت زور شور کے ساتھ اچھالا بھی جاتا ہے۔ لیکن اسپین کے ایک مورخ ادوریس کے سفر نامہ سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس نے ۳۱۳ء یعنی قبل از بعثت نبوی اسکندریہ کا دورہ کیا۔ اور انتہائی صفائی کے ساتھ اپنے سفر نامہ میں یہ لکھا کہ میں نے کتب خانہ دیکھا الماریاں تو موجود تھیں مگر کتابیں ندارد تھیں۔

ان کتابوں کو اسکندریہ کے عیسائی پہلے ہی آگ دکھا چکے تھے۔

ہندوستان میں برہمنوں نے تعلم و تعلیم پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ دوسرے طبقات کے لئے علم کی خوشہ چینی ممنوع بلکہ سزا کی بھی موجب بن جاتی تھی۔

یہودیوں میں رہبانوں نے علم کو اپنی جاگیر بنا رکھی تھی۔ اور اس جاگیر کے بل پر وہ لوگوں پر حکمرانی بھی کرتے تھے غرضیکہ علم اور تعلیم و تعلم کو عوام کے لئے شجر ممنوع بنا دیا گیا تھا۔

ان واقعات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ علم کو بہر حال ہر دور کے اعلیٰ طبقہ میں عوامی استحصال کا ذریعہ بنایا گیا۔ اور اسی کے نام پر اپنی خدائی کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اسی طرح سے علم کو ہمیشہ کھلواڑ بنائے رکھا گیا۔

بلا شبہ یہ اسلام کا کارنامہ ہے کہ اس نے طلب علم کو ایک "فریضہ" قرار دیا۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ طلب علم کو فرض بھی قرار دے دیا جاتا تو بہت اہم بات ہوتی۔ لیکن فرض نہ کہہ کر فریضہ کی قید لگا دینے سے مفہوم میں جو وسعت اور معنویت پیدا کی گئی ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں فریضہ کا تصور کچھ اس طرح ہے:۔

ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے انسان کسی صورت میں بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا تمام مشغولیتیں اور صعوبتیں بھی ادائیگی فریضہ میں مانع نہیں بن سکیں۔

ایسی ذمہ داری جس کی ادائیگی عبادت میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ عبادت کے مقتضیات میں امانت و دیانت طہارت و نظافت اور اخلاص نیت و صفائی قلب بھی شامل ہے۔ لہٰذا تحصیل علم کے فریضہ کی ادائیگی میں بھی امور ضروری متصور ہوں گے۔

فریضہ کی ادائیگی انسان کو اس کے خالق سے قریب تر کرنے کا سبب بنتی ہے طلب علم بھی ایک فریضہ ہے لہٰذا اس کی انجام دہی سے خدا کی قربت کا احساس جاں گزیں ہونا ناگزیر ہے۔

اسلام میں تعلیم و تعلم دونوں کی کس قدر اہمیت ہے حدیث ذیل سے اس کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

"جاہل کو سزاوار نہیں ہے کہ وہ اپنی جہالت پر چپکا رہے اور نہ عالم کو یہ سزاوار ہے کہ وہ اپنے علم کو پوشیدہ کئے رہے" ایک اور مختصر سی حدیث میں فرمایا گیا ہے "علم خزانے ہیں اور سوال ان کی کنجیاں ہیں" اس موقع پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر دینا مناسب ہوگا۔ فرماتے ہیں:

تعلموا العلم فان تعلمه لله خشية وطلبه عبادة۔ ومذاكرته تسبيح والبحث عنه جهاد وتعليمه لمن لا يعلمه صدقة (ترغيب و ترهيب)

علم سیکھو کہ اس کا سیکھنا خوف خدا کا موجب ہے اس کی جستجو کرنا عبادت ہے اس کا مذاکرہ تسبیح ہے

تسبیح میں شمار ہوتی ہے اور اس کی تلاش و تحقیق (میں مشقت اٹھانا بھی) جہاد ہے۔ اس کا استعمال یعنی اس سے استفادہ تقرب الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے اور نا واقفوں کو علم سے بہرہ مند بنانا کار خیر ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات سے علم و اہلِ علم کے مرتبے پر روشنی پڑتی ہے سورہ زمر میں فرمایا گیا ہے:

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون

(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ اہلِ علم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔

سورہ مجادلہ میں فرمایا گیا ہے: يرفع الله الذين آمنوا والذين اوتوا العلم درجات:

تم میں سے اللہ انہیں کے درجات بلند کرتا ہے جو اہلِ ایمان و اصحاب علم ہیں۔

اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ جہاں کہیں اس کے پیروؤں کی حکومتیں قائم ہوئیں علم کے چرچے بھی عام ہوئے کاتب و مدارس کا جال پھیلا۔ اور وہ علاقے جو کبھی غیر متمدن تھے مدنیت و حضارت کا مرکز بن گئے۔ مرحوم اندلس بغداد و بصرہ، موصل و کوفہ اور قاہرہ جیسے مختلف شہروں کی علمی و تمدنی تاریخ پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں۔

اسلام سے پہلے زیادہ تر انحصار عقلی و نظری علوم پر کیا جاتا تھا لیکن اس کی آمد کے بعد سے جہاں بہت سی تبدیلیوں نے جنم لیا وہاں ایک سب سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ اسلامی تعلیمات کے طفیل علوم کی دوسری اقسام کی باضابطہ بنیاد پڑی۔ یعنی عمرانی و صنعتی، سماجی و معاشرتی علوم کی تدوین ہوئی اور فنی تعلیم کو بھی سنجیدگی کے ساتھ فکر و عمل کا موضوع بنایا گیا۔

قرآن کریم کی ابتدائی سورت "اقرأ" میں تعلیم و تعلم کے دو بنیادی ذریعے یعنی قرات اور قلم کے ذکر سے اسلام کے اس بنیادی پہلو کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسان کے لئے علم کے نام سے تاریخ نے جو ورثہ چھوڑا ہے وہ ان ہی دونوں ذرائع کا مرہون منت ہے۔ اگر ہم قرات اور قلم کا سہارا نہ لیں تو ہماری کوئی حیثیت نہ رہے گی۔ سورہ (ن) میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ قلم کی قسم کھا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تبت اور آپ کے خلق عظیم پر صاد کیا گیا ہے۔ ایک پیغمبر جو اپنے لکھے ہوئے نام تک کو نہ پڑھ سکتا ہو وہ بھلا خود کچھ لکھنے پر کیا قادر ہوگا۔ اس کے باوجود اس نے علم کا ایک بڑا بحر ذخائر قرآن و حدیث کی صورت میں آنے والی نسل کے لئے مستقل کر دیا۔ اس سے بڑا اعجاز اور کیا ہو سکتا ہے اور اسی اعجاز کی داد دینے کے لئے ن والقلم وما یسطرون میں قلم کو اور قرطاس پر ثبت ہونے والے اس کے نقوش کو شاہد بنایا گیا ہے۔ یہ شہادت اسلام میں نوشت و خواند اور قرات و کتابت کے اعلیٰ مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔ قرآن میں قرات کا لفظ متعدد مفہوموں کے لئے آیا ہے اور یہ سب مفاہیم تعلیم کے تمام پہلوؤں پر صادق آتے ہیں۔

قلم و قرات کی بنیاد پر جو جو علوم و فنون حاصل کئے جا سکتے ہیں ان پر بھی نیز وہ علوم بھی جو جینئیس سے انسانی

ارتقاء کے لئے ضروری سمجھے جاتے رہے ہیں۔ قرآن میں واضح رہنمائی دی گئی ہے اور ان کے تحقیق و تعلیم کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ نور کے دوسرے رکوع کا مطالعہ مفید ہوگا۔

پہلی آیت میں علم حیاتیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں فطرت کے سربستہ رازوں کی طرف اشارہ کرکے غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ تیسری آیت میں لسانیات اور ان کے اختلافات نیز رنگ و نسل کے ساتھ ان کے خصوصی رشتوں کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے رنگ و نسل اور زبانوں کے علماء کو دعوت تعلیم و تعلم دی گئی ہے۔ چوتھی آیت میں رات دن کے فرق سے انسان پر پڑنے والے نفسیاتی اثرات کی نشاندہی کرکے اہل سمع و بصر کو حرکت میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پانچویں آیت میں علم موسمیات اور اس کی خصوصیات و اثرات کی طرف اہل عقل کو متوجہ کیا گیا ہے چھٹی آیت کائنات کے نظام اور انسانوں کے انجام سے اس کے مضبوط اور گہرے رشتہ پر روشنی ڈالتی ہے یہ تمام اختیارات جن کو محض دینیات و مذہبیات سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ دراصل علوم کی مختلف شاخوں سے سود مند استفادہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح سورہ فاطر کی ۲۶ ویں آیت میں بعض جماداتی اختلافات سے زندگی پر جو اثرات رونما ہوتے ہیں ان کو بیان کرکے ایک بڑی عجیب حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے وہ ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی لوگوں میں جو اہلِ علم ہیں وہی خدا سے صحیح طور پر خائف رہتے ہیں۔ ان ہی آیات میں اس کا جواب بھی ملتا ہے کہ تعلیم و تعلم کا مقصد کیا ہونا چاہئے۔ ایسا سوال ہے جس کے جواب سے بہت سے مسائل پر بھی اچھی روشنی پڑے گی۔

بعثت نبوی کے بعد دنیا دو سائنسی دوروں سے متعارف ہوئی ہے۔ پہلا دور عباسی خلافت کی دین ہے دوسرا دور یورپ کے عروج سے وابستہ ہے۔ پہلے سائنسی دور میں بھی نت نئی ایجادات ہوتی رہی ہیں لیکن ان کا رخ ہمیشہ افادی اور مثبت رہا ہے جب کہ دوسرے دور کی بیشتر ایجادات انسان کے مسائل میں اضافہ کر رہی ہیں۔ پہلے دور کی یہی خوبی کیا کم ہے کہ اس پر دوسرے دور کی بنیاد رکھی گئی۔ لیکن زمام قیادت چونکہ ان ہاتھوں میں منتقل ہو چکی تھی جن کے ہاں تعلیم و تعلم کے اغراض و مقاصد متعین نہیں تھے۔ اس لئے اس دور کے تاریک پہلو نسبتاً زیادہ ہیں۔ پہلے دور کی قیادت وہ علماء و سائنسدان انجام دے رہے تھے جن کے ہاں علم کا طلب کرنا ایک فریضہ تھا اور یہ ابھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ فریضہ کی ادائیگی میں اخلاص نیت و صفائی قلب، امانت و دیانت اور طہارت و نظافت نیز حق تعالیٰ سے قربت کے احساسات لازمی طور پر پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اہلِ اسلام نے اس فریضہ کو انتہائی احتیاط سے ادا کرنے کی کوشش کی۔

انسان تعلیم کسی مقصد سے حاصل کرتا ہے اور پھر مقصد کے تحت ہی اس کا استعمال بھی کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل چیز مقصد ہوتی تعلیم نہیں۔ مقصد پر سارا دار و مدار ہے۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا او مقصد

کو سامنے رکھ کر تعلیم وتعلم پر پہرے لگائے جاتے ہیں۔ اسلام اسی حقیقت کے پیش نظر تعلیم وتعلم کو سامنے رکھ کر فیصلہ دیتا ہے کسی بھی علم کو محض اس وجہ سے حاصل کرنا کہ وہ علم ہے اسلام کے نزدیک ہرگز معیوب نہیں ہے لیکن اسی علم کے حصول کے ساتھ اگر غلط مقصد وابستہ ہو تو اسلام ہرگز روادار نہیں ہوگا۔ یہی رویہ دوسرے علوم وفنون کے ساتھ بھی برتا گیا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان علوم کی تحصیل اور ان کو برتنے کے لئے امت کو کسی طرح کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ صرف مقاصد کے تعلق سے چند رہنما اصول مرحمت فرمادئے گئے۔ اور مختلف انسانی ضروریات کے پیش نظر ہر فرد کو ان کی تعلیم وتعلم کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے انتم اعلم بامور دنیاکم تم اپنے دنیاوی امور کے زیادہ بہتر جاننے والے ہو۔

ایک حدیث ہے اطلبوا العلم ولو بالصین علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین ہی جانا پڑے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ کے دور ہی میں جب خالص دینی علوم کے لئے کسی دوسری جگہ جانے کی چنداں احتیاج نہیں تھی۔ تو پھر چین کے ذکر کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ آدمی کو دنیاوی علوم کی تحصیل کے لئے بھی وقت اور مال ومشقت کے صرف کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ یہ حدیث اصول حدیث کی رو سے مختلف فیہ ہے لیکن امام رازی اور امام غزالی نیز امام ابن عبدالبر نے بھی اس حدیث سے استناد کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے مذکورہ حدیث قابل اعتماد ہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر جو کفار قید ہوئے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رہائی کے لئے یہی شرط رکھی کہ ان میں سے ہر پڑھا لکھا قیدی کسی مسلمان کو پڑھنا لکھنا سکھا دے جب شرط پوری کردی گئی تو ان کو رہا کر دیا گیا۔

امام رازی نے تعلیم پر بحث کرتے ہوئے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ علوم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) علوم شرعیہ اور (۲) علوم غیر شرعیہ۔

علوم شرعیہ سے مراد وہ علوم ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست حاصل ہوئے ہیں۔ ان کی طرف عقل کی رہنمائی اس طریقہ سے نہیں ہوسکتی جس طریقہ سے عقل کے ذریعہ علم حساب سکھایا جاتا ہے نہ وہ تجربے حاصل ہوتے ہیں جیسے علم طب کی تدوین ہوتی ہے اور نہ محض سننے سے ان کا حاصل کرنا ممکن ہے جیسے علم لغت سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد جو علوم غیر شرعیہ ہیں ان میں سے بعض پسندیدہ ہیں اور بعض غیر پسندیدہ اور بعض ایسے ہیں جو صرف درجہ مباح رکھتے ہیں۔

پسندیدہ علوم وہ ہیں جن سے دنیاوی امور کی مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں جیسے علم طب اور حساب وغیرہ اور پھر

ان علوم میں بعض ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا افضل ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان کی تحصیل ضروری نہیں ہے۔

مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فرض کفایہ وہ علوم ہیں جن کے ہم دنیاوی زندگی اور کاروبار کے قائم اور باقی رکھنے میں محتاج ہیں جیسے علم طب، علم حساب، کاشتکاری، باغبانی، پارچہ بافی اور دوسرے صنعتی علوم۔

وہ علوم جن کا حاصل کرنا اگرچہ فرض نہیں ہے مگر افضل ضرور ہے جیسے علم حساب و علم طب وغیرہ میں تخصص و تحقیق کہ اس کے بغیر انسان زندگی تو ضرور گذار سکتا ہے لیکن اس سے بہرہ مند ہونے کے بعد مزید خوشگوار نتائج سامنے آجاتے ہیں۔

مباح علوم۔ کے ذیل میں شعر و ادب جو فحاشی پر مبنی نہ ہو اور علوم تاریخ وغیرہ آتے ہیں۔ اور ناپسندیدہ علوم میں سحر۔ شعبدہ بازی وغیرہ شامل ہیں۔ (احیاء العلوم اول)

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں جب علم سب میں افضل ٹھہرا تو اس کی تحصیل بھی سب سے افضل ہو گی۔ نیز دوسروں کو اس سے بہرہ مند کرنا بھی سب سے افضل نیکی شمار ہو گی انسان کی پیدائش کے مقاصد دین اور دنیا دونوں کے مجموعہ پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ دین کا نظام جب تک دنیاوی نظام نہ ہو قائم نہیں ہو سکتا۔ اور دنیاوی معاملات کا انتظام انسانوں کے کاموں اور مشاغل (پیشوں) پر موقوف ہے انسانی پیشے تین قسم کے ہیں:۔

ایسے پیشے جو انسانی زندگی کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں وہ چار ہیں:۔

۱۔ زراعت۔ ۲۔ پارچہ بافی۔ ۳۔ عمارت سازی اور ۴۔ خاندان و ملک کے انتظام اور اسباب معیشت کی فراہمی نیز ان کی حفاظت کے لئے سیاست۔

دوسری قسم کے پیشے وہ ہیں جو پہلے قسم کے پیشوں کے لئے معاون کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسے طباخی و خیاطی تیسری قسم میں وہ پیشے آتے ہیں جو صنعتی کہے جا سکتے ہیں۔

ان سب میں سے پہلی قسم کے پیشوں کو فضیلت حاصل ہے خاص طور پر علم سیاست کی فضیلت زیادہ ہے کہ اس سے نظم و ضبط کا وجود عمل میں آتا ہے اور اس کے ذریعے سے مخلوق کی اصلاح کی جاتی ہے اور انہیں حق (فلاح) کی راہ دکھائی جاتی ہے۔

علم دین اور مذکورہ علوم کی تحصیل کرنے والوں کے فرق کو واضح کرتے ہوئے ایک جگہ امام غزالی نے لکھا ہے علم دین حاصل کرنے والوں کی مثال ان مجاہدوں کی سی ہے جو جہاد کے میدانوں میں اپنا سر ہتھیلی پر لئے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہیں اور دوسرے علوم کو حاصل کرنے والوں کی مثال فوج کے ان دستوں کی سی جو سرحد کی حفاظت کے لئے متعین ہوتے ہیں:۔

(احیاء العلوم جلد ا صفحہ ۹۵)

قسط ۲

دارالعلوم حقانیہ

منزل بہ منزل

(۴۰ سال قبل)

دارالعلوم حقانیہ کا جلسۂ دستاربندی

دارالعلوم حقانیہ کے شاندار ماضی کو مرتب و مدون کرنے اور اسے ریکارڈ پر لانے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ ایسے تمام مواد، یادداشتوں، تعلیمی رپورٹوں، واردین و صادرین کی تفصیلات بالخصوص دارالعلوم کے ابتدائی دور کے جلسہ ہائے دستاربندی کی روداد جو اس وقت چھپ نہیں سکیں کسی نہ کسی طرح شائع کر کے محفوظ کی جائیں اس غرض کیلئے دارالعلوم کی مفصل تاریخ کی تدوین اور ماہنامہ الحق کی خصوصی اشاعت کے علاوہ فوری طور پر ادارۂ الحق نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے مواد کو دارالعلوم کے ریکارڈ سے تلاش کر کے الحق کے ذریعہ محفوظ کیا جائے۔

۹-۱۰ شعبان ۶۹ھ - م ۲۶، ۲۷ مئی ۵۰ء

اس وقت ہمارے سامنے دارالعلوم کے ایک جلسۂ دستاربندی ۱۹۵۵ء کی رپورٹ ہے۔ یہ جلسے اپنی افادیت اور وسعتوں کے حوالے سے دیرپا اثرات کے حامل ہوتے تھے۔ اور ایک عظیم الشان علمی جشن (بقول مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ پیش نظر رپورٹ اس وقت پشاور کے ہفت روزہ البلاغ نے خصوصی شمارہ ۸۰ رجب ۷۵ء جشن دستاربندی نمبر میں شائع کی تھی۔ اور جسے مولانا سعید الدین صاحب شیر کوٹی نے مرتب کیا تھا جس کی پیش خدمت ہے۔

(تیسری نشست) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اجتماع کی تیسری نشست ۲۸ مئی کو صبح ۸ بجے زیر صدارت حضرت مولانا عبدالحق صاحب آف شیدو شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن اور نظموں کے بعد مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی نے ایک نہایت پر معنی اور عالمانہ تقریر فرمائی۔

مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی کی تقریر | جناب صدر، بزرگو، بھائیو، علماء ذوی الاحترام! علماء کے اس اجتماع میں میری لب کشائی بڑی جسارت ہے لیکن چونکہ اپنی بزرگوں نے مجھے حکم دیا ہے اس واسطے امتثال امر پر مجبور ہوں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حالات کی ابتری کا ذکر کروں یا اپنے اجتماعی تغافل کا شکوہ کروں لیکن جہاں تک میں سوچ سکا ہوں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اصل بنا ابتری ہمارا تغافل ہے۔ چیزیں وہی ہیں۔ حالات بگڑنے سے ہم بگڑے یا ہمارے بگڑنے سے حالات بگڑے۔ میری اپنی رائے یہی ہے کہ ہمارے بدلنے سے حالات بدلتے ہیں یہ ہماری غلطی اور کمزوری تھی کہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بلکہ حالات کی زد میں آ گئے۔ مسلمان تو اگر اپنے مقام پر ہے تو حالات کی [illegible] کے ذمے ہے پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حالات نے ہمیں بدل دیا۔

مولانا نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ بیشک ہمارے عہد غلامی میں وہ طریقے پوری طرح سوچ سمجھ کر اختیار کئے گئے جن سے ہماری ذہنیتوں میں تبدیلی واقع کی جائے۔ وہ تدبیریں بروئے کار لائی گئیں جن سے ہم [illegible] پر مجبور ہو جائیں لیکن ہم اپنی کمزوریوں کی بنا پر جو ہم میں تاریخی اعتبار سے آئی شروع ہو گئی تھیں [illegible] متاثر ہو گئے۔

مولانا نے کچھ تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد آگے چل کر کہا۔ یہ بھی ایک انگریزی سیاست ہی تھی [illegible] کر دیا گیا۔ الزام یہ دھرا گیا کہ علماء علوم حاضرہ سے بیگانہ رکھنا چاہتے ہیں۔ عوام کو یہی پڑھایا گیا کہ [illegible]

کے راستے بند کر دینا چاہتے ہیں لیکن یہ محض ایک سیاست تھی جسے حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ آپ نے اسلام کے وسیع زاویہ ہائے نظر کی تفصیل کرنے کے بعد فرمایا۔ "جب یہ شور اٹھ رہا تھا کہ علماء انگریزی تعلیم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس وقت مولانا عبدالحق صاحب مصر حقانی نے سر سید احمد کو یہ پیش کش کی تھی کہ ہم انگریزی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن شرط صرف یہ ہے کہ نصاب تعلیم کے اختیارات اور نظم تعلیم ہمارے اختیار میں ہو حکومت کو اس میں دخل نہ ہو۔ لیکن یہ شرط قبول کرنے کے لئے کون تیار ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو برطانوی مقصد تعلیم حاصل ہی نہ ہوتا تھا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ انگریزی تعلیم سے بیگانگی کا علماء پر صرف الزام ہی الزام تھا۔ اسلام علوم کی تحصیل کی خود ترغیب دیتا ہے تو پھر علماء اس کے مخالف کیوں ہوں یہ صرف گاڑی کو انجن سے علیحدہ کرنے کا ایک طریق تھا اور محض اس لئے کہ اسلامی تعلیمات کا چشمہ فیض انہیں علماء سے پھوٹتا ہے اگرچہ غیر اسلامی تسلط نے یہ پوری پوری کوشش کی کہ جس طریق سے بھی ہو سکے قرآنی تعلیمات کو نابود کر دیا جائے۔ درسگاہوں اور خانقاہوں کو مٹا دیا جائے۔ لیکن یہ علماء کا طبقہ بھی بڑا ہی سخت جان ہے کہ اس نے دم نہ توڑا۔

آج یہ حجازی سرلی لے نہ ریڈیو پر ملے گی نہ کالج میں اور نہ ہی نئے رنگ کے کسی اور حلقے میں بلکہ یہی کچھ بوریہ نشین لوگ ہیں جنہوں نے ان مدبری تانوں کو اپنے دامان تار تار میں چھپا رکھا ہے۔

مولانا بہار الحق صاحب اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میں ایک چیز کو خصوصیت سے کہنا چاہتا ہوں اور مجھے اس تغیر پر بڑی حیرت ہے کہ آج حکومت، حکام یا صاحب اقتدار طبقہ کے دائرۂ عمل سے فرائض دینی اور دینی قسم کی تمام ذمہ داریوں کو خارج قرار دے دیا جاتا ہے حالانکہ قرآنی تعلیمات بتاتی ہیں۔ الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ

آخر یہاں دینی فرائض کو با اختیار طبقہ کے پروگرام میں شامل نہیں کیا گیا تو کیا ہے؟

مولانا نے اپنی تقریر میں اشتراکیت کے مسئلہ کو بھی زیر بحث لائے اور آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا کے خود ساختہ قوانین امن کیا قائم کریں گے۔ ابتری ہی پھیلاتے ہیں۔ یہ آج جو طبقاتی کشاکش پائی جاتی ہے یہ خود اسی اصلاحی پروگرام کا ایک کھلایا ہوا گل ہے۔ جو اپنے دامن میں خوفناک نتائج لئے ہوئے ہے۔ کم از کم اسلام ایسی کشاکش پیدا نہیں کرتا وہ تفرقہ پردازی کی پالیسی نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ سب تہذیب نو کے نو دمیدہ گل ہیں۔

اپنی تقریر کے اختتام کے قریب مولانا بہار الحق صاحب نے خصوصاً علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ موجودہ حالات میں میں آپ سے یہ امید رکھوں گا کہ آپ اپنے راہ عمل میں جھکیں گے نہیں۔ بلکہ استغناء سے کام لیں گے۔ کیونکہ آپ جس چیز کے حامل ہیں۔ اس کے وقار کا یہی مقتضاء ہے۔ اور اسی پر آپ نے اپنی تقریر ختم فرمائی۔

مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی مولانا بہار الحق صاحب کی تقریر کے بعد مولانا عبدالحنان صاحب نے تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا اس دار العلوم کی طرف سے جن طلباء کو دستار فضیلت دی گئی ہے یہی فضیلت سب مسلمانوں کے

کی تھی اور اسے ہر فرزند اسلام اپنے لئے بجا طور پر قابل فخر خیال کرتا تھا علم دین کے حصول کے لئے مسلمانوں کے بچے بچے میں تڑپ پائی جاتی تھی اور ہر فرد اس کے لئے اپنی بساط کے موجب پوری پوری کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج تو یہ ایک نعیب کی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ جیسے نصیب ہو جائے کیونکہ زنگ ہی بالکل بدل گیا ہے معیار ہی بالکل پلٹ گیا ہے اب تو دین کو حاصل کرنے والا کوئی کوئی ہے آپ نے آگے چل کر اپنی تقریر میں فرمایا۔ پہلے تو اصلاح کی ذمہ داری ہر فرد مومن پر تھی۔ لیکن اب تو شاید انہی چند نوجوانوں پر یہ بوجھ آپڑا ہے جنہیں کل اس دارالعلوم سے دستار فضیلت ملی ہے۔

آپ نے ان فارغ التحصیل طلبا کو اس موقعہ پر خصوصاً خطاب کیا۔ اور ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

" اس پگڑی کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر عالم نے تمہیں مثل بلال و ابوبکر و عمر بنا کر تمہیں سطح عالم پر تبلیغ کے لئے منتخب کیا ہے تم دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جاؤ اور دنیا کے ہر کام میں مجسمہ بن کر اسلاف کا نمونہ پیش کرو۔ تم اپنی تعلیمات کو اپنے میں سمو لو کہ لوگ اس سے متاثر ہو کر رہیں گے۔ میں اس بات پر بھی آپ کو زور دوں گا کہ آپ اپنے وقار کو نہیں علم کے وقار کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جبہ سائی اور آستانوں پر پہنچنے سے گریزاں رہیں مسلمان اپنا ایک مقصد رکھتا ہے۔ اس مقصد میں کامیابی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن مقصد کے ناموس پر حرف آنے کو وہ گوارا نہیں کر سکتا۔

اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے مولانا عبدالحنان صاحب نے فرمایا کہ دارالعلوم حقانیہ کی بنا پر بظاہر نظر آج حیرت ہوتی ہے لیکن یہ حیرت کی بات نہیں کیونکہ دین کا کام کرنے والے یہ لوگ جن کے دل میں دنیا کے بھلے کا کام کرنے کی آگ سلگتی رہتی ہے زمانہ کی روش اور حالات کی سازگاری و ناسازگاری کو زیر نظر نہیں لایا کرتے بلکہ یہ اپنی آشیاں بندی سے غرض رکھتے ہیں ؎

مسکن وہیں کہیں، وہی آشیاں کہیں دو تنکے اڑ کے تیرے جہاں رکھ دئے کہیں

آخر میں آپ نے اہل سرحد کی دینی حمیت سے امید رکھتے ہوئے کہا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سرحدی افراد سرمایہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ غیور بھی ہیں

مجھے امید ہے کہ وہ اس نیک شوق کو بھی ضرور پورا کریں گے۔

دارالعلوم حقانیہ کے استحکام کی صورت میں ان کے دلوں میں پیدا ہونا چاہئے۔

مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری | مولانا عبدالحنان صاحب کے بعد مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری مائیکروفون کے سامنے تشریف لائے۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ آج ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اسلامی مدارس قوم و ملک پر ایک بار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک حد تک یہ خیال میرے نزدیک بھی صحیح ہے کہ یہاں کا نکلا ہوا طالب علم نہ وزیر بن سکتا ہے اور نہ امریکی و برطانوی معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔ اور نہ ہی تہذیب کی کسوٹی پر جانچ پرکھ میں کھرا ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ انگریزی عہد حکومت میں جس کے ذریعے یہ رنگ یہاں آیا دو رخی پالیسی استعمال کی جا رہی تھی۔ ایک طرف ہمیں جہاں سیاسی موت کے گھاٹ اتارا جا

رہا تھا وہیں ہم سے معاشرتی اور تہذیبی لحاظ سے ہمارے مذہب کا رنگ اتار کر اپنا رنگ چڑھایا جا رہا تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ علماء اور مدارس جنہیں مخالف ہواؤں نے محدود کر کے مسجدوں، خانقاہوں یا ان سے متصل رہنے دیا ہے، نہ ہوتے تو نہ معلوم ہم کون سی موت مرتے۔ ایک سیدھی سادی بات ہے اگر سمجھ میں آجائے تو کہ اگر ہم ان دینی علمی مراکز سے بدظن ہیں تو چلیئے بدظنی ضرور رکھئے لیکن یہ تو فرمایئے کہ برطانیہ و امریکہ کی نئی تہذیب نے اور اس تہذیب کے بلند بانگ رکھنے والے دعوے داروں نے ہمیں کیا دیا؟ اسلام نے تو ہمیں اخلاق دئے۔ ہمارے تیرہ سو برس کے قرآن نے تو ہمیں سیرت بخشی اور علم معرفت دیا۔ لیکن اس نوتراشیدہ یورپین تہذیب و تمدن نے ہمیں کیا دیا؟ یہی نا کہ بداخلاقی اور بدکرداری۔ دنیا کی بھی گئی سب باہی اور آخرت کی بھی۔ آخر کوئی گوشہ تو بتایئے جس میں کچھ تہذیب کی روشنی آتی ہو۔ یوں ظلمتوں ہی کا نام آج کل تہذیب رکھ دیا جائے تو بے شک بجا ہوگا۔

مولانا نے اپنے بیان میں اس چیز پہ کافی زور دیا کہ ہمارا اصل سرمایہ وہی ہے جسے ہم بھلا بیٹھے، لٹا بیٹھے اور اسے اپنے نہاں خانۂ خیال تک میں بھی محفوظ نہ رکھ سکے۔

آگے چل کر آپ نے فرمایا: مجھے تو یہ پختہ یقین ہے کہ فتنوں کی رو میں ملت کی غرقابی کے جتنے مواقع بھی آئے ان پہ یہی علماء تھے۔ یہی سیدھے غیر مہذب سمجھے جانے والے انسان تھے جنہوں نے ڈوبتی ملت کو سہارا دے لیا۔ آج چاہے ہم ان سے بدظن ہوں اور چاہے ان سے اینٹھے رہیں۔ اور میں تو یہ کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ آج بھی ہم جس طرح مختلف حالات کو ایک خاص عینک سے دیکھتے ہیں اسی طرح ہم نے ابھی تک اپنے قابل احترام علماء اور اپنے علمی مراکز کو بھی خاص زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ جیسے انگریز نے علماء سے بدظن کرنے کے لئے "ملائیت" اور "ملا" کے الفاظ کی ترویج کی تھی اسی طرح ہم بھی انہی الفاظ ان کے اثرات اور جذبۂ حقارت کو ابھی تک سنبھالے بیٹھے ہیں اگرچہ آج تو یہ بالکل ہی ایک ناموزوں سی بات ہے آج اسی طرح حسب سابق "ملا ازم" کا نام لے کر علما کے خلاف حقارت پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں اس موقعہ پہ یہ بھی یاد رکھ لینا ہوگا۔ کہ اگر "ملا ازم" قرآن کی تعبیر ہی کو کہا جاتا ہے تو یہ پھیل کر رہے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو مٹ نہیں سکتی اسے آج تک دنیا کی کوئی گردش، وقت کا کوئی چکر، حالات کا کوئی رخ اور دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکی اور نہ مٹا سکتی ہے۔ آپ نے پاکستان میں علوم دینیہ کی ترویج اور ان کی قدر کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ امر تو اس مملکت کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ یہاں علوم اسلامی اور اسلامی طور طریقوں کے نمونے پیش کئے جائیں کیونکہ پاکستان کی لبیک تو اسی مطلب اور اسی کا نام لے کر مانگی گئی تھی جو قائد اعظم کی جھولی میں قوم کو ملی۔

ایک چیز جس مقصد کے پیش نظر حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے حصول کا انتظام ہی اس کے اقتدار کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

مولانا نور الحسن صاحب نے اپنے بیان میں ارباب اقتدار کو توجہ دلاتے ہوئے کہا:

میں آپ سے یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ریشہ دوانیاں اور فتنے غیر محسوس طریق سے زور پکڑ رہے ہیں جن کے

نتائج میرے خیال کے بموجب یقیناً خطرناک ہیں۔ آج کمیونزم کو ایک بڑا خطرہ تصور کیا جا رہا ہے لیکن اسی طرح کے کئی اور کمیونزم بھی ہیں جو نقصان اور سازشی نوعیت کے اعتبار سے کمیونزم سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں رکھتے میرا کہنا صرف یہ ہے کہ ان کی اہمیت کو آج پوری طرح محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ دانشمندی اسی کا نام ہے کہ دور سے ہوا کا رنگ بھانپ لیا جائے اور یہ بھی کہنا ہی پڑے گا کہ ایک چیز کو خطرناک تسلیم کر لینے سے اس کا خطرہ دور نہیں ہوا کرتا۔ آج جب ہمیں اشتراکیت زور پکڑتی نظر آ رہی ہے۔ صرف ایک ہی چیز اس سیلاب کو روکنے کے لئے مؤثر نظر آتی ہے اور وہ ہے اسلام جسے ہم بھی اپنا کہتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ سٹالین کے کمیونزم کا سیلاب صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے رک سکتا ہے ہمارے موجودہ اندازے کے بموجب حالات کا بگاڑ اسلام سے سدھر سکتا ہے یا کمیونزم بگڑے ہوئے حالات پر چھا سکتا ہے۔ اس لئے اس عالمگیر فتنے کا علاج اسلام کو عوام پر پیش کر کے کیجئے۔ کیا یاد نہیں صدیق اکبرؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے لئے پرانا کفن تجویز کیا۔ جب نئے کفن کو کہا گیا تو اسلامی مساوات کے علمبردار نے کہا یہ سب میرے پیچھے رہنے والوں کے لئے ہے۔ یقین رکھئے یہی اہل دنیا کی فلاح اور اطمینان کی صورت ہے ورنہ لاپرواہی اپنا رنگ لایا کرتی ہے۔ اور ہر ایک چیز کو غیر اہم سمجھنا ہی اس کی اہمیت کو بڑھا دیا کرتا ہے

مولانا نور الحسن بخاری نے اپنی تقریر میں وقت کے فتنوں کی پوری تشریح کی۔ ان میں مرزائیت، رفض، انکار حدیث جیسے فتنوں کا خصوصاً ذکر کیا۔ آپ نے مرزائیت سے متعلق بہت سے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں نہایت سنجیدگی اور وقت کے تقاضوں کے بموجب آپ کو اور ان حضرات اقتدار کو جو حالات پر غور کر کے فائدہ بخش نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ یہ کہوں گا کہ یہ مملکت جن حالات کی پیداوار ہے اس کے پیش ہمیں اس کے نیک و بد پر پوری طرح غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسے محفوظ رکھا جا سکے۔

اسی سلسلے میں آپ نے اہل اختیار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

آخر میں مولانا نور الحسن صاحب نے فرمایا:

آج ایک فتنہ نہیں ہر چہار طرف فتنے ہیں۔ ہوش میں آنے کی ضرورت ہے ورنہ وقت کا چکر سب کو پیس دے گا اسلام کا نور پیش کیجئے۔ اور اس کے حامل وہی ہیں جو بوریوں پر بیٹھتے ہیں یہ بھی یقین رکھئے انہیں کسی قسم کے اقتدار کی ضرورت نہیں

بلکہ ان کا مقصد صرف اس لائحہ عمل کو دنیا کے سامنے پیش کر دینا ہے جو اہل عالم کی پریشانیوں کا حل رکھتا ہے۔

مولانا نور الحسن صاحب کی تقریر کے بعد مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب پوپلزئی نے تقریر فرمائی جس کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے فرمانے پر حضرت سید بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین اکوڑہ سے دعا کرائی۔ دعا سے قبل حضرت بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین خانقاہ غوثیہ نے فرمایا۔ مسلمانوں پر اور اہالیان اکوڑہ پر قدرت کا یہ فضل وکرم رہا ہے کہ ہمارا گاؤں ہمیشہ سے علوم دینیہ کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی سعادت ہے کہ ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں دارالعلوم حقانیہ قائم ہوا ہے جو صحیح معنوں میں قوم و مذہب اور ملت کی خدمت کر رہا ہے۔

آپ نے آگے چل کر فرمایا میں اہل پاکستان سے عموماً اور اہل سرحد سے خصوصاً اپیل کرتا ہوں کہ اپنے تعاون سے اس دینی ادارے کو نوازیں۔ تاکہ مذہب اسلام کا یہ سچا ادارہ شریعت محمدی کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دے سکے۔ ان ارشادات کے بعد حضرت سید صاحب نے دعا فرمائی۔ اور دارالعلوم کے اس پر رونق اور کامیاب اجتماع کی تیسری اور آخری نشست برخاست ہوئی۔

یہ اجتماع اپنے افادی پہلوؤں، پر رونق ہونے اور نظم و نسق کے ہر لحاظ سے پوری طرح کامیاب رہا جس کا تمامتر سہرا کارکنان دارالعلوم، اہالیان اکوڑہ کی انتھک کوششوں اور ان کے اخلاص کے سر ہے۔

ہم اس اجتماع کی کامیابی پر کارکنوں کو مبارک باد پیش کرتے وقت ان کے حسن انتظام کی داد دینا نہیں بھولیں گے۔ کہ ان کے انتظام میں باقاعدگی اور نظم و ضبط پایا جاتا تھا۔ مہمانوں کی کثیر تعداد کے لئے خورد و نوش اور ان کی ضروری آسائش کا پورا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ ہمیں واقعی یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مطبخ کے انتظام میں اڑتالیس کارکن پوری مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

دارالعلوم حقانیہ کے انتظامی پہلوؤں کے سلسلہ میں ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دارالعلوم کی تمام رقومات ڈاک خانہ کے سیونگ بینک میں بلا منافع جمع رہتی ہیں۔ اور دارالعلوم کی طرف سے ہر خواہشمند کو حسابات کی جانچ پڑتال کی اجازت ہے۔

بقیہ: قابل فخر مجاہد

"مادی وسائل کہاں خدا ہماری مدد دشمن ہی کے ہاتھوں کرتا ہے ان کا چھوڑا ہوا اسلحہ ہمیں کام دے جاتا ہے۔ ایک واقعہ سناتے ہوئے نصرت غیبی پر یقین وایمان کو تازہ کر دیا۔ فرمایا کہ ایک بار فضائیہ نے بمباری کی تھی۔ ایک بڑا بم ہمارے ہاتھ لگا جو صحیح بچ گیا تھا۔ ہمیں طریقہ کھولنے کا معلوم نہ تھا۔ اللہ کا نام لے کر اسے ہم نے آری سے کاٹ دیا۔ اور اس سے دس بارہ دھڑی بارود ہمیں ملا اسکو ہم نے استعمال کیا۔ دیسی بم بنا بنا کر بارود کو کام میں لائے۔ اسی طرح مجاہدین نے ایک اور بم ماہرین سے کھلوایا تو اس میں چھوٹے چھوٹے نو بم اور نکل آئے اور ۵ دھڑی بارود بھی نکل آیا۔"

اب ظہر کی نماز تیار تھی اور میں نے اسی پر اکتفار کرتے ہوئے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور کسی دوسری فرصت میں مفصل حالات سنانے کا وعدہ بھی کیا۔

مرتبہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (فاضل دیوبند)
مدرس دارالعلوم حقانیہ ۔ اکوڑہ خٹک

اکوڑہ خٹک کے اجتماع پر ایک نظر

اگر اس اجتماع کی کامیابی پر یہ امید رکھی جائے کہ "پھر چمن کی بہار لوٹ آئے" تو بے جا نہ ہوگی۔ اس موقع پر اہل اللہ بزرگان دین، علماء و اکابرین اور مشائخ سب کے سب جمع تھے یہ وہی لوگ تھے جن پر دین کی تمام تر ذمہ داریوں کا بوجھ ہے اور اسی مقصد کی جدوجہد کے لئے یہ بابرکت ہستیاں جمع تھیں اب آپ خود ہی اس کی نوعیت کا اندازہ لگائیے

مدیر

مورخہ ۹-۱۰ شعبان ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۷-۲۸ مئی ۱۹۵۰ء بروز ہفتہ و اتوار دارالعلوم حقانیہ کی جلسہ دستار بندی کا ایک عظیم الشان مذہبی اجتماع ہوا۔ اجلاس کی چار نشستیں تھیں پہلی نشست بروز ہفتہ بعد از نماز ظہر زیر صدارت حضرت العلامہ شیخ الحدیث جناب مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس بعد از نماز عشاء زیر صدارت رئیس الفصحاء جناب خلیق صاحب مانکی شریف ہوا۔ تیسرا اجلاس ٹھیک گیارہ بجے زیر صدارت حضرت جناب خان زادہ عبدالحق صاحب رئیس اعظم شید و منعقد ہوا۔ چاروں اجلاس بحمد اللہ توقعات سے بالاتر بہت ہی کامیاب رہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ تقریباً دس ہزار سامعین محو سماع تھے۔ تانگوں کے اڈہ کے قریب ایک عظیم الشان پنڈال نہایت خوبصورتی سے تیار کیا گیا تھا۔ حاضرین کی اس قدر کثرت تھی کہ پنڈال میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ باہر بیٹھنے پر مجبور ہوئے لاؤڈ سپیکر

وغیرہ کا نہایت ہی اعلیٰ انتظام تھا۔ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ بیرونجات سے بکثرت جلیل القدر اور معزز علمائے کرام وشعراء، ذوی الاحترام و دیگر مہمانانِ عظام دارالعلوم حقانیہ سے محبت وعقیدت رکھنے کی بناء پر تشریف لائے تھے۔ سب سے پہلا اجلاس بروز ہفتہ بعد از نماز ظہر زیر صدارت حضرت العلامہ شیخ الحدیث جناب مولانا نصیر الدین صاحب منعقد ہوا۔ صدارت کی تجویز حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اور تائید حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی نے پرجوش الفاظ میں کی۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ ایسے اجتماع کے لئے جس میں دورۂ حدیث شریف کے طلباء کی دستاربندی کی جاتی ہو بجز ایسے شخص کے جو عرصہ ۳۱ سال سے حدیث نبویؐ کا درس بغیر کسی معاوضہ کے دے رہا ہو۔ صدارت کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جناب صدر مسندِ صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ تجویز صدارت کی تحریک وتائید کے بعد برخوردار سمیع الحق فرزند ارجمند حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم حقانیہ نے تلاوت قرآن شریف سے افتتاح کی۔ بعدازاں صدر استقبالیہ کی طرف سے حضرت جناب مولانا روح الامین صاحب اکوڑوی نے خطبۂ استقبالیہ پشتو زبان میں نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ سنا کر سامعین کو محوِ حیرت کیا۔ اس کے بعد حضرت سید غلام علی شاہ صاحب اکوڑوی نے سپاسنامہ اردو زبان میں فصیح وبلیغ نہج سے سنایا۔ بعدازاں خان اعلیٰ خان محمد زمان خان صاحب آف اکوڑہ۔ باوجود ضعف وپیری کے لاؤڈ سپیکر کے سامنے تشریف لا کر ایک عالمانہ وادیبانہ انداز میں مختصر مگر جامع تقریر ارشاد فرمائی جس میں تمام معزز مہمانوں کا شکریہ اور شیخ الحدیث حضرت جناب مولانا عبدالحق صاحب بانی دارالعلوم حقانیہ کی انتھک کوششوں کی تحسین وآفرین کی۔ اور فرمایا کہ دارالعلوم حقانیہ اہالیانِ سرحد خصوصاً علاقہ خٹک کے رہنے والوں کے لئے موجب برکت وسعادت ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کی ضروریات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ سرحد میں وسیع القلب اور درد دل رکھنے والے رؤسا ہیں۔ اگر وہ توجہ وعنایت دارالعلوم حقانیہ کی طرف مبذول فرمائیں تو بعید نہیں کہ یہ دارالعلوم حقانیہ جو اب ایک جھونپڑی کی شکل میں ہے۔ قلیل عرصہ میں اس کے لئے ایک عظیم الشان بلڈنگ تیار ہو جائے۔ اور ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی اس کے لئے میسر ہو سکے۔

بعدازاں شیخ الحدیث حضرت جناب مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ مہتمم وبانی دارالعلوم حقانیہ نے مہمانان دارالعلوم حقانیہ کا شکریہ اور مقدمہ روئداد پڑھ کر سنایا پھر ۲۴ فارغ شدہ طلبہ کی دستاربندی کی رسم ادا کی گئی۔ پھر جناب صدر نے صدارت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے عجز وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے فارغ شدہ طلبہ کو مؤثر پیرایہ میں نصیحت فرمائی۔ کہ وہ خلوص ورضائے الٰہی کو ملحوظ رکھیں۔

اس کے بعد کھانے کے لئے جلسہ برخاست ہوا۔ کھانے کا انتظام دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے تھا۔ مہمانوں کے آرام اور خدمت کا بیڑہ علماء اور معززین وسادات ودیگر اہالیان اکوڑہ نے اٹھایا تھا۔ واقعی ان سب نے مہمانوں کی پوری پوری تواضع کی۔

مشاعرہ بعد از نماز عشاء ساڑھے نو بجے شروع ہوا جس میں سرحد کے معزز اور قابل فخر مشہور قومی شعراء کرام تشریف لائے تھے۔ حضرت رئیس الفصحا خلیق صاحب مانکی شریف نے صدارت فرمائی۔ مشاعرہ کے لئے طرح، جناب رئیس الشعراء حضرت مولانا عبداللہ صاحب نوشہروی نے تجویز کی تھی جس پر تمام شعرائے کرام نے بہترین طریقہ پر اپنے کلام کو منظوم فرمایا تھا بعض ممتاز شعراء کو حاضرین نے انعام بھی عطا فرمایا۔

شعرائے کرام کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عالی جناب خانِ اعلیٰ الحاج خان محمد زمان خان صاحب خٹک۔
۲۔ جناب سمندر صاحب بدرشوی
۳۔ مولانا قاضی عبدالودود صاحب اسیر اکوڑوی۔
۴۔ جناب مولانا عبداللہ صاحب نوشہروی۔
۵۔ جناب اجمل خٹک۔ اکوڑوی۔
۶۔ جناب شان گل۔ زیارت کاکا صاحب۔
۷۔ جناب عجیب الرحمٰن کسکر اکوڑوی۔
۸۔ جناب محمد نواز خان خٹک شیدوی۔
۹۔ جناب عبدالوہاب صاحب شبنم جہانگیروی
۱۰۔ جناب سراج الاسلام سراج اکوڑوی
۱۱۔ ماسٹر عبدالجبار صاحب مضطر مدرس مدرسہ تعلیم القرآن۔ اکوڑہ خٹک
۱۲۔ جناب محمد فیاض۔ فیاض شیدوی
۱۳۔ جناب عبدالرحیم فدا سرحدی آف ادینہ
۱۴۔ شیر علی خان صاحب خویشکی
۱۵۔ جناب سید غلام علی شاہ مظہر صدر اعلیٰ بزم ادب پشتو۔ اکوڑہ خٹک
۱۶۔ جناب نور محمد خان نوشہروی
۱۷۔ رستم خان صاحب اسسٹنٹ سروے سپرنٹنڈنٹ پاکستان۔ رسالپور چھاؤنی
۱۸۔ مولانا میاں حسین شاہ صاحب شیدو
۱۹۔ جناب قاضی عبدالسلام صاحب۔ زیارت کاکا صاحب حال نوشہرہ
۲۰۔ جناب قمرالدین صاحب قمر۔ لوند خوڑ

دوسرا اجلاس زیر صدارت جناب بادشاہ گل صاحب مدظلہ سجادہ نشین اکوڑہ ہوا۔ صدارت کی تجویز و تائید کے بعد جناب حافظ مولانا محمد ابراہیم صاحب مردانی فاضل دیوبند نے تلاوت فرمائی۔ تلاوت کے بعد حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے بسوط تقریر اپنے مخصوص انداز میں فرمائی جس میں دارالعلوم حقانیہ کی ترقی و بقا کے لئے لوگوں کو ترغیب دلائی۔ اور دارالعلوم کے قیام پر اظہار مسرت فرمایا جس سے حاضرین از حد محظوظ ہوئے۔

اس سے قبل مولانا مصلح الدین صاحب نے عجیب پیرایہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اخیر میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب نے دعا فرمائی اور جلسہ دو بجے شب بخیر و خوبی ختم ہوا۔

تیسرا اجلاس بروز اتوار ٹھیک ۸ بجے زیر صدارت جناب فخر العلماء حضرت مولانا عبدالحق صاحب فاضل امینیہ رئیس اعظم شیدو منعقد ہوا۔ تحریک صدارت جناب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے پیش کی۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب نے تائید فرمائی۔ بعد ازاں جناب مولوی عبدالحلیم صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ نے تلاوت قرآن مجید فرمائی۔ پھر قصیدہ عربیہ جو مولانا محمد لطافت الرحمٰن[1] صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ نے دارالعلوم کی شان میں نظم فرمایا تھا محمد موسیٰ[2] متعلم دارالعلوم نے سنایا۔ پھر دارالعلوم کی طرف سے عربی زبان میں سپاسنامہ مولانا تقویم الحق[3] صاحب کاکاخیل فاضل دیوبند نے پیش کیا۔ پھر حضرت پیرزادہ مولانا بہار الحق صاحب قاسمی نے تقریر فرمائی جس میں دینی تعلیم اور اس کے اچھے نتائج اور ضرورت اور دنیوی تعلیم اور اس کی عدم اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لوگوں کو دینی درسگاہوں کی طرف توجہ دلائی۔

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی نے عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں نہایت موثر اور مشرح ... انداز فصاحت کے ساتھ کی۔ پھر جناب مصلح الدین صاحب اکوڑہ خٹک نے ایک نعت انتہائی خوش الحانی کے ساتھ پیش کی۔ اس کے بعد عزیز القدر مولانا سمیع الحق صاحب شیرکوٹی نے اپنی نظم پڑھی۔ اخیر میں جناب مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری مہتمم تنظیم اہلسنت والجماعت اسٹیج پر تقریر کے لئے جلوہ افروز ہوئے۔

جلسہ کے خاتمے پر مہتمم صاحب نے جلسہ کی کامیابی پر خداوند کریم کا شکر اور تمام معزز مہمانوں کی آمد کا شکریہ اور سب کے حق میں کلمات دعائیہ فرمائے اور حضرت بادشاہ گل صاحب نے دارالعلوم کی امداد کی طرف لوگوں کو متوجہ فرمایا اور معاونین دارالعلوم حقانیہ کے حق میں دعا فرمائی بعد ازیں صدر اجلاس حضرت العلامہ مولانا عبدالحق صاحب شیدوی نے شکریہ کے ساتھ اجلاس کے اختتام کا اعلان فرمایا۔

---

[1] حال مدرس جامعہ اسلامیہ بہاولپور [2] حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور مصنف و ادیب مولانا محمد ولی الرازی [3] پرنسپل گورنمنٹ کالج مردان

تحریر جناب سید نفیس الحسینی صاحب
نفیس رقم لاہور

سرحد کا ایک مجاہد ایک عارف باللہ بزرگ

حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات مرحوم

قطب العارفین غازیٔ اسلام حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات نوراللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۴ء میں ہوئی۔ آپ تیرھویں صدی ہجری کے رجالِ عظیم میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ایک صاحبِ فیض و تاثیر شیخِ خانقاہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک صاحبِ شمشیر و علَم مجاہدِ اسلام بھی تھے۔ آپ کی حیاتِ مبارک جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس کا عظیم الشان مرقع تھی۔

علامہ جمال الدین افغانیؒ نے اپنی تصنیف "البیان فی تاریخ الافغان" میں لکھا ہے کہ:۔

"اخوند صاحب سوات کا شمار عالمِ اسلام کی برگزیدہ ہستیوں میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کے فتوے مستند ہوا کرتے تھے۔ آپ کا شمار ان عظیم انسانوں میں ہوتا ہے جن کے متعلق کہا گیا ہے ؎

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آپ صرف گوشہ نشین زاہد نہیں تھے بلکہ انیسویں صدی کے عظیم حریت پسند مجاہد، صاحبِ بصیرت سیاستدان، عالمِ اسلام کے نامور عالم اور مجدد دین اور میدانِ جہاد میں غازیوں کے ایک سرفروش رہنما بھی تھے۔"

("تاریخ سوات، محمد آصف خان ص ۱۰۲ - ۱۰۳)

آپ امیر المومنین، امام المجاہدین، مجدد الاسلام حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) کے معاصرین میں سے تھے۔ ابتدا میں ان کے بعض خفیہ جنگی مشوروں میں بھی شریک رہے۔ حضرت سید صاحب کی شہادت کے ان کی جماعت کے مجاہدین کے شانہ بشانہ فرنگی فوج سے برسرِپیکار رہے اور میدانِ کارزار میں اس کے دانت کھٹے کر دیئے جنگِ امبیلہ ۱۲۶۳ھ میں آپ کے کارہائے نمایاں تاریخِ حریت کا سنہری باب ہیں۔

حضرت اخوند صاحب حضرت خواجہ محمد شعیب توروڈھیری کے خلیفۂ اعظم تھے۔ جنہوں نے ۱۲۳۸ھ میں سکھوں کی فوج سے لڑتے ہوئے میدانِ جہاد میں جامِ شہادت نوش کیا تھا لہٰذا ذوقِ جہاد سرفروشی مرشد عالی مقام ہی

سے پایا تھا۔ بعد میں حضرت سید احمد شہید کی صحبت بابرکت میسر آئی تو وہ سونے پہ سہاگے کا کام کر گئی۔

حضرت خواجہ محمد شعیبؒ کی شہادت کے بعد آپ نے دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹے سے گاؤں "بیکی" میں سکونت اختیار فرمائی۔ جو قلعہ ہنڈ کے پاس واقع تھا مسلسل بارہ سال تک آپ وہاں زہد و ریاضت میں مشغول رہے۔ اسی زمانے میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ورود مسعود اس علاقہ میں ہوا۔ حضرت اخوند صاحبؒ بھی ان کے کمالات عرفانی سے متاثر ہو کر ان کے دامن صحبت سے وابستہ ہوئے حتیٰ کہ خاصان بارگاہ میں شامل ہو گئے اور جہاد کے خفیہ مشوروں میں شریک ہونے لگے۔ خادے خان رئیس ہنڈ بھی جو حضرت اخوند صاحب سے عقیدت رکھتا تھا حضرت سید احمد شہید کی خدمت میں مخلصانہ شریک ہونے لگا۔ جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے سکھوں کے خلاف قلعہ اٹک پر حملے کا خفیہ پروگرام بنایا تو حضرت اخوند صاحب اس مشورہ میں شامل تھے۔ انہوں نے خان ہنڈ کو حضرت سید صاحب کا مخلص سمجھتے ہوئے یہ راز بتا دیا۔ لیکن خان ہنڈ بد طینت آدمی تھا۔ اس نے لالچ میں آ کر سکھوں کو قبل از وقت خبردار کر دیا۔ اٹک کے جو مسلمان شہر اور قلعے کو مجاہدین کے حوالے کر دینے کی تیاریوں میں شریک تھے انہیں خوفناک سزائیں جھیلنی پڑیں اور پنجاب پر کامیاب اقدام کی سکیم ابتدائی مراحل ہی میں ناکام ہو گئی۔ حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ خادے خان کی غداری سے ایسے بددل ہوئے کہ "بیکی" کی سکونت ترک فرما دی اور کسی دوسرے مقام پر چلے گئے اور ایک عرصہ تک بالکل گوشہ نشین رہے۔

۱۸۳۵ء میں حضرت اخوند صاحب نے امیر دوست محمد خاں والیِ کابل کے شانہ بشانہ شیخان کے مقام پر سکھوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ اس جہاد کے بعد آپ وادیِ سوات میں رونق افروز ہوئے اور موضع سیل بانڈی میں قیام فرمایا۔

۱۸۴۵ء میں سیل بانڈی کو چھوڑ کر آپ نے سیدو میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سیدو شریف میں مقیم ہونے کے بعد آپ کی شہرت صوبہ سرحد اور افغانستان کی حدود اور سرحدوں سے بھی آگے بڑھ کر ایران، عراق اور شام تک پہنچ گئی۔ دور دراز کے قبائلی علاقوں سے آپ نے سوات کو جہل اور بدعت کی آلائشوں سے پاک کر دیا۔ اخلاقی اصلاح کا سلسلہ سوات میں شروع ہو گیا۔ (تاریخ سوات ص ۷۹)

تجدید دین اور پٹھانوں کی اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اخوند صاحب استبداد کے اس عالمگیر سیلاب کی تباہ کاریوں سے بھی غافل نہیں تھے جو انگریزی حکومت کے روپ میں سارے ہندوستان کو لیے ہوئے اب آزاد قبائلی

علاقے کی طرف بڑھتا آرہا تھا۔ ۱۸۴۹ء میں جب انگریزوں نے پشاور پر بھی قبضہ کر دیا تو حضرت اخوند صاحب کو سوات اور ملحقہ علاقوں کے بچاؤ کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ آزادی اور تہذیب کے تحفظ کی خاطر آپ نے ایک مضبوط شرعی حکومت قائم کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ مسلسل جدوجہد کے بعد آپ نے سوات اور بونیر کے عمائدین کا ایک اجلاس سیدو شریف میں طلب فرمایا۔ اس اجلاس میں دیر اور باجوڑ کے سرکردہ افراد بھی موجود تھے۔ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"آپ لوگوں کو آنے والے خطرات سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ شرعی حکومت کا قیام ایک وقتی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک قومی اور مذہبی فریضہ بھی ہے۔ برٹش اقتدار کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم منظم اور متحد ہو جائیں۔ ہمیں اپنے خانگی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر متحد ہونا چاہئے اور دشمن کے مقابلہ میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننا چاہئے۔ ان اغراض و مقاصد کے لئے ہمارے پاس شرعی حکومت سے عمدہ ذریعہ اور کوئی نہیں ہے جس کے ذریعے ہم متحد ہو کر اپنا تحفظ کر سکیں۔

یاد رکھو! اگر اس موقعہ پر آپ لوگوں نے ذرا سی بھی غفلت کی تو پھر غلامی مقدر ہو چکی ہے اور اس سیاہ دیو کا لقمہ بننے سے پھر ہم بچ نہیں سکتے۔ ہمیں اپنے اعمال اور کردار کو بالکل اسلامی سانچے میں ڈھالنا چاہئے۔ خدائے کریم ہمارے ساتھ ہے۔"

آپ کی تقریر ایسی موثر اور کارگر ثابت ہوئی کہ یوسف زئی خوانین اور عمائدین فوراً شرعی حکومت کے قائم کرنے کے لئے بالکل متفق ہو گئے۔

امیر شریعت کے انتخاب کا مسئلہ پیچیدہ تھا۔ ان لوگوں نے اخوند صاحب سوات کو خود یہ منصب سنبھالنے کو کہا لیکن آپ نے فرمایا کہ عزیزو! میری جدوجہد اس مطلب کے لئے نہیں کہ میں خود امیر بن جاؤں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ نے ضلع ہزارہ کے موضع ستھانہ کے سید اکبر شاہ صاحب کا نام پیش کیا۔ سید اکبر شاہ صاحب کے بھی یہ لوگ واقف تھے ان کی قابلیت اور خاندانی تقدس مسلّم تھی۔

سید اکبر شاہ صاحب مشہور صوفی بزرگ سید علی ترمذی مشہور پیر بابا کی نسل سے تھے نیز ان کے دادا سید زمان شاہ بھی اپنے وقت کے مشہور صوفی اور عابد تھے۔ خاندانی خصوصیات کے علاوہ خود ان کی شخصیت بھی قبائل میں جانی پہچانی تھی۔ سید اکبر شاہ کافی عرصہ حضرت سید احمد بریلویؒ کے معتمد خصوصی رہ چکے تھے۔ لہذا ایک مدبر سیاستدان بھی تھے۔ چنانچہ سید اکبر شاہ کو ہی امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ صاحب سوات نے خود سب سے اول سید اکبر شاہ کی بیعت کی۔ موضع غالیگی کو دارالخلافہ قرار دیا گیا۔ اس طرح حضرت صاحب سوات کی جدوجہد

سے پہلی شرعی حکومت قائم ہوگئی۔

افسوس کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے صرف ایک سال پہلے ۱۸۵۶ء میں سید اکبر شاہ صاحب کی وفات پر سوات کی شرعی حکومت ختم ہوگئی۔ ایک انگریز مصنف سر ہربوٹ ایڈورڈ لکھتا ہے۔

"اگر سوات کی شرعی حکومت اور مجاہدین قبائل کا سربراہ سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔" (تاریخ سوات ص ۸۰ تا ۸۲)

جنگ امبیلہ ستھانہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے مجاہدین کا اہم مرکز تھا اور سادات ستھانہ مجاہدین سے وابستہ تھے۔ انگریز مجاہدین کے مراکز پنجتار، ستھانہ اور منگل تھانے کو تباہ و برباد کرنا چاہتے تھے۔ جب سادات ستھانہ اور اتمان زئیوں میں اختلاف پیدا ہوا اور سادات کے سرکردہ سید عمر شاہ شہید ہوئے تو سادات نے ملکا کو اپنا مرکز بنالیا۔ یہ مقام ستھانہ سے ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ مجاہدین بھی ملکا کو محفوظ مقام سمجھ کر وہیں پہنچ گئے۔ مولانا عبداللہ امیر المجاہدین تھے۔ سید عمر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے بھتیجے سید مبارک شاہ سادات ستھانہ کے قائد قرار پائے۔ اتمان زئیوں نے انگریزی حکومت کو باخبر کردیا۔ انگریزوں نے مجاہدین و سادات کے اس مرکز کو تاخت و تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ادھر سادات اور مجاہدین نے بھی مل کر مدافعت کا پورا پورا انتظام کیا اور جہاد کا اعلان عام کردیا۔

(تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۵۵۵، بحوالہ کتاب یوسف زئی ص ۴۲۵)

۱۸۶۳ء میں جب ضلع مردان کے جنوبی علاقوں میں انگریزی فوج نے نقل و حرکت شروع کی تو امیر المجاہدین مولانا عبداللہ صاحب نے ضلع مردان کے سرکردہ خوانین کو خطوط لکھ کر اس خطرے سے خبردار کیا۔ اس سلسلہ میں ایک خط حضرت اخوند صاحب سوات کی خدمت میں بھی بھیجا گیا۔ جس میں آپ کی بزرگانہ عظمت اور دینداری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا۔ کہ "خدا تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں فضیلت اور برتری عطا کی ہے۔ فرنگی جنگ کے ارادے سے فوج کے ساتھ ہماری طرف آرہے ہیں ان کا ارادہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا ہے۔ دربند، تربیلا اور لاہور میں ان کے لشکر موجود ہیں۔ بہت سے خوانین اور رؤسا فرنگیوں کے ساتھ اپنے اخلاص کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کی حمایت و رفاقت نہ صرف آپ پر بلکہ تمام کلمہ گویوں اور دین حق کے خیر خواہوں پر فرض ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر شاہزادہ مبارک شاہ کی حمایت کریں۔ دین کی عزت کا پاس مومنوں کے لئے زیبا ہے۔ خدا کی بارگاہ سے اس نیکی کی جزا ملے گی۔ اگر مسلمان دین کی عزت کا پاس نہ کریں گے تو دشمن کے ہاتھ سے سخت تکلیفیں اٹھائیں گے۔"

حضرت اخوند صاحب نے یہ خط پڑھ کر فرمایا۔ " اس وقت بیشک مذہبی جنگ درپیش ہے۔ شاہزادہ

مبارک شاہ مومنوں کا سردار ہے، امارت اس کی مسلّم ہے اور سادات پہلے ہی سے سرداری کے منصب پر فائز چلے آتے ہیں۔" (سرگزشت مجاہدین ص ۳۲۵، ۳۲۶)

۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء (۱۲۸۰ھ) کو جنگ امبیلہ کا آغاز ہوا۔ جنرل چیمبرلین انگریزی فوجوں کا سپہ سالار تھا مجاہدین بڑی جانبازی، شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے۔ مجاہدین اور انگریزی فوجوں میں دس بارہ معرکے بڑے زور کے ہوئے۔ حضرت اخوند صاحب کو اس جنگ کی اطلاع خط کے ذریعے سے پہلے دی جاچکی تھی۔ انہوں نے اپنے علاقے میں جہاد کا اعلان کردیا اور اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ ہر شخص ہتھیار اور کھانے پینے کا سامان لے کر فوراً میدان جنگ میں پہنچ جائے۔ اخوند صاحب نے سیدو شریف سے روانہ ہو کر بنگورہ میں قیام فرمایا۔ اور وہاں نماز جمعہ کے بعد ایک خطبہ دیتے ہوئے جہاد کی اہمیت اور فضائل بیان کئے۔ اور اسی خطبے میں اعلان کیا کہ اگر انگریز اس علاقے پر قابض ہوگئے تو میں اس ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جاؤں گا۔" تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۵۵۷

انگریزوں کو سب سے بڑا اندیشہ یہ تھا کہ کہیں اخوند صاحب سوات مجاہدین کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہوجائیں۔ بونیر، سوات یا دوسرے خطوں اور میدانی علاقے میں ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ اخوند صاحب ہمہ گیر قبائلی ہیجان کو دیکھ خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ وہ بھی موقع پر پہنچ گئے۔ اور ان کی وجہ سے قبائلی جوش و خروش میں مزید تندی اور تیزی پیدا ہوگئی۔ (سرگزشت ص ۳۳۰)

مجاہدین اور انگریزی فوجوں کے درمیان تین معرکے ہوچکے تھے کہ حضرت اخوند صاحب نے ۲۶ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو چار ہزار پیادہ سرفروش غازیوں اور ایک سو بیس سواروں کے دستے کے ساتھ محاذ جنگ امبیلہ پہنچ کر وہاں مسجد میں قیام فرمایا۔ امیر المجاہدین مولانا عبداللہ صاحب اور شاہزادہ مبارک شاہ صاحب نے آپ سے مسجد میں ملاقات کی۔ جماعت مجاہدین کے عقائد کے بارے میں انگریزوں اور ان کے بدنہاد حامیوں نے پورے علاقے میں چونکہ بہت گمراہ کن پروپیگنڈا کر رکھا تھا اس لئے امیر المجاہدین مولانا عبداللہ صاحب نے اخوند صاحب سے ملاقات کرتے ہی نہایت دل فگاری سے عرض کیا کہ سب سے پہلے آپ میرے عقائد سن لیجئے تاکہ میرے مذہب کی حقیقت آپ پر واضح ہوجائے۔ ان کے عقائد سن لینے کے بعد اخوند صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں اور ہر وقت آپ کا خیر خواہ ہوں۔ پھر محبت سے گلے لگا کر فرمایا کہ آج میرے اور آپ کے ناموس پر حملہ ہوا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم مل کر انگریزوں سے لڑیں۔

(تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۵۵۷)

انگریزوں نے مجاہدین کے عزم و استقلال کو دیکھ کر محسوس کر لیا۔ کہ مجاہدین سے توپ و تفنگ سے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا انہوں نے مکاری، فریب اور پھوٹ ڈالنے کے حربوں سے کام لینا شروع کیا۔ انہوں نے باجوڑ

دیر اور بنیر کے خوانین کو خرید لیا۔ ان کے قبائلیوں نے ہمت ہار دی اور واپس جانے لگے۔ اس اثنا میں انگریز کمشنر نے ایک خط میں حضرت اخوند صاحب کو لکھا کہ "آپ کیوں ناحق لوگوں کو قتل کرا رہے ہیں۔ برطانیہ کی طاقت بہت بڑی ہے۔ یہ لوگ ان کے نئے آلاتِ حرب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ درویش ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ گوشہ نشینی اختیار فرمائیں۔ ہم تو صرف مجاہدین کو ملکا سے نکالنا چاہتے ہیں"

حضرت اخوند صاحب نے کمشنر کو جواب میں لکھا کہ "بیشک آپ قوی ہیں۔ لیکن آپ سے بھی زیادہ ایک قوی اور منصف ہستی موجود ہے جس نے اصحابِ فیل کو ابابیلوں سے تباہ کرایا۔ فرعون کو غرق کیا۔ نمرود کو مچھر سے ہلاک کرایا۔ بلاشبہ میں فقیر ہوں۔ آپ کیوں بار بار فقیروں پر چڑھائی کرتے ہیں۔ یہ طرز آپ کی حکومت کی شان کے خلاف ہے" ("تذکرہ صوفیائے سرحد" صـ ۵۵۸)

۲۳ دسمبر ۱۸۶۳ء کو انگریزی فوج اور مجاہدین کے درمیان ایک خون ریز معرکہ ہوا۔ لیکن باجوڑ، دیر اور بونیر کے خوانین کی بے وفائی سے انگریزوں کو تقویت حاصل ہو گئی اور وہ شکستِ فاش سے بچ گئے۔ اس جنگ میں بظاہر ان کا پلہ بھاری نظر آ رہا تھا۔ انگریزوں نے کئی بار حضرت اخوند صاحب کو ہتھیار ڈالنے کے پیغام بھیجے لیکن آپ نے ہر بار انکار کیا۔ اور فرمایا "ہم تو خدا کی راہ میں جہاد کرنے نکلے ہیں۔ لہٰذا شہید ہو جائیں گے۔ ہمارے لئے شہادت سے زیادہ کوئی سعادت ہی نہیں۔ ہم ملک گیری یا دنیاوی مفاد کے لئے نہیں لڑتے۔ اپنے وطن کی حفاظت اور فطری حقِ آزادی کے تحفظ کے لئے لڑنا تو ہمارا فرض ہے۔ خدا ہمارے ساتھ ہے"

اخوند صاحب ایک چٹان پر مورچہ بنائے ہوئے وہیں تشریف فرما تھے۔ امبیلہ کے محاذ پر ہندوستانی مجاہدین اور چند عقیدت مند صاحب سوات کے گرد حلقہ باندھے ہوئے بے سروسامانی کے عالم میں لڑ رہے تھے۔ اس معرکے میں جانباز مجاہدین انجام سے بے نیاز ہو کر پوری بے جگری اور مردانگی سے برٹش فوجوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ قبائلی پٹھانوں نے بے سروسامانی کے عالم میں گوریلا جنگ کے وہ جوہر دکھائے کہ انگریزوں کا فاتحانہ غرور خاک میں مل گیا۔ پہلے حملے میں برطانوی فوج جو تربیت یافتہ تھی اور ہر قسم کے جدید اسلحہ سے لیس تھی ایسی منہ کی کھائی کہ بقول ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر "آگے بڑھنا ناممکن تھا اور پیچھے ہٹنا شکست سے بدتر"

("تاریخ سوات" محمد آصف خاں صـ ۳۸ تا ۳۹ ملخصاً)

حضرت اخوند صاحب سوات کی حیاتِ مبارک پر امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت مجاہدین کے جذبۂ جہاد اور ذوقِ عمل کی گہری چھاپ نظر آتی ہے بلکہ بہت ہی مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔

مؤلف تاریخ سوات نے صاحبِ سوات کی زندگی کے جو پانچ مقاصد بیان کئے ہیں ان سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے وہ مقاصد حسبِ ذیل ہیں :-

۱۔ تجدید دین اسلام اور پٹھانوں کی اخلاقی اصلاح۔

۲۔ جہل بدعات اور باطل رسومات کا انسداد۔

۳۔ سوات اور بونیر کے حکومت الٰہیہ کا قیام۔

۴۔ صوبہ سرحد کو انگریزی تسلط سے آزاد کرانا۔

اس میں شک نہیں کہ آپ زندگی کے مذکورہ اول تین مقاصد میں کامیاب بھی ہوئے اور مؤخر الذکر کی تکمیل کے لئے تیاریوں میں مصروف ہی تھے کہ دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آگیا۔ اور اگر زندگی وفا کرتی تو آپ امیر شیر علی خاں (والی کابل) سے مل کر انگریزوں کے ساتھ جہاد کرنے والے تھے۔ [۹۵]

سات محرم الحرام ۱۲۹۵ھ مطابق ۲ جنوری ۱۸۷۷ء کو چوراسی سال کے شب و روز گذار کر زہد و شجاعت کا یہ آفتاب عالمتاب غروب ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً

آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفائے کرام بھی جذبۂ جہاد سے سرشار رہے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کئے رکھا۔

مولانا نجم الدین ہڈے ملاؒ (م ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء) اور مولانا عبدالوہاب صاحب پیر بابا کی شاگردین (م ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء) اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت ہڈے ملاؒ اپنے مرشد گرامی کے وصال کے بعد ۱۸۷۷ء سے ۱۹۰۱ء تک تقریباً چوبیس سال تک ان تمام لڑائیوں میں شریک رہے جو انگریزوں اور قبائلی مسلمانوں کے درمیان ہوئیں۔ پیر بابا کی صاحب حضرت اخوند صاحب کے ہمراہ جنگ امبیلہ میں شریک تھے۔ حضرت ہڈے ملاؒ کے خلفاء میں حاجی فضل واحد صاحب ترنگزئی (م ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء) کا نام نامی بہت ممتاز ہے۔ حاجی صاحب ترنگزئی نے بھی جہاد کی روایات کو برقرار رکھا۔ اور عمر بھر انگریزوں کے خلاف لڑتے رہے۔ اور ایک مجاہد اسلام کی زندگی بسر کی۔ برصغیر کی مشہور تحریک ریشمی رومال کے بھی آپ سرگرم کارکن اور مجاہد تھے۔ امیر تحریک حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے باقاعدہ آپ کا رابطہ اور راز و نیاز تھا۔

حاجی صاحب ترنگزئی اور سنڈاکی ملا صاحب دونوں کا تعلق حضرت شیخ الہند کی تحریک کے ساتھ تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ اسارت مالٹا میں تحریک ریشمی رومال کے قائد و امیر قطب ربانی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء) کے مرشد اول حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری بھی حضرت اخوند صاحب سوات کے خلفائے عظام میں سے تھے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ کے خلیفہ اعظم و جانشین قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ تھے جن کا سلسلہ شرق و غرب میں پھیلا ہوا ہے ♦

جناب اختر راہی ۔ ایم ۔ اے

تعارف وتبصرۂ کتب

پاکستان میں مسیحیت | تالیف : ڈاکٹر نادر رضا صدیقی ۔ ناشر : مسلم اکادمی ۱۸/۲۹ محمد نگر لاہور ۵

قیمت : چالیس روپے ۔ صفحات : ۵۲۰ ۔

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کا مقصد وجود اسلامی نظام حیات کو عملی جامہ پہنانا ہے ۔ اللہ کا پیغام نہ صرف دوسری اقوام کو پہنچانا ہے ۔ بلکہ خود اس کا عملی نمونہ بننا ہے ۔ مگر افسوسناک پہلو یہ ہے کہ پاکستان میں ایک بڑی تعداد ہر سال اسلامی تعلیمات سے روگرداں ہو جاتی ہے ۔ یا تو وہ حلقۂ عیسائیت میں داخل ہو جاتی ہے یا تشکیک والحاد کی لپیٹ میں آجاتی ہے ۔ زیر نظر تالیف "پاکستان میں مسیحیت" پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں اور خلاف اسلام طاقتیں کس قدر منظم ہیں اور ان کے حملے کیا رنگ لا رہے ہیں ۔

ڈاکٹر محمد نادر رضا صدیقی نے چند سال پہلے کراچی یونیورسٹی میں پاکستان میں اشاعت مسیحیت پر پی ۔ ایچ ۔ ڈی کا مقالہ تحقیق پیش کیا تھا ۔ انہوں نے آٹھ سال کی مسلسل محنت سے جو مصدقہ معلومات اکٹھی کی تھیں ۔ ان کا ایک حصہ مناسب ترتیب و تدوین کے بعد اس کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہے ۔

ڈاکٹر محمد نادر رضا صدیقی صاحب نے اعداد و شمار کے ساتھ اشاعت مسیحیت کا جائزہ لیا ہے ۔ انہوں نے بتایا ہے کہ دنیا بھر میں اشاعت و تبلیغ مسیحیت کی جو تحریک جاری ہے اسے جن ملکوں میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے ۔ پاکستان ان میں تیسرے نمبر پر ہے ۔ یہاں یورپی ممالک کے مختلف تبلیغی ادارے کام کر رہے ہیں ۔ جن کے عقائد و اعمال میں باہم اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے ۔ مگر اشاعت مسیحیت کے لئے وہ سب متحد ہیں ۔ وہ آپس میں کبھی نہیں ٹکراتے ۔ انہوں نے پاکستان کو مختلف حلقوں میں بانٹ رکھا ہے اور کوئی تبلیغی ادارہ دوسرے تبلیغی ادارے کے حلقے میں مداخلت نہیں کرتا ۔

زیر نظر کتاب چھ ابواب اور تیس اہم نقشوں اور ضمیموں پر مشتمل ہے ۔ مؤلف نے پہلے دو ابواب میں مسیحیت کے بارے میں تمام بنیادی معلومات مہیا کی ہیں ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ، ان کے پیغام

بائبل کی ترتیب و تدوین اور مسیحی عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مؤلف موصوف نے انجیل کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کا تقابل کیا ہے اور اہل انصاف کو دعوت غور و فکر دی ہے۔ تیسرے باب میں مسیحی تبلیغی اداروں کے طریق کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوتھے اور پانچویں باب میں پاکستان میں نفوذ مسیحیت کے اسباب کا ذکر ہے۔ اور آخری باب میں ان مسیحی فرقوں اور تبلیغی اداروں کا تعارف ہے جو پاکستان میں کام کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد نادر رضا صدیقی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس نہایت اہم موضوع پر تحقیقی کتاب پیش کی ہے۔ راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے کہ کسی مسیحی تبلیغی ادارے کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ مسیحی مشنری عموماً اپنے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مختلف ذرائع سے جو معلومات حاصل کی ہیں۔ یہ کسی دوسری جگہ یکجا نہیں مل سکتیں۔ جناب حافظ نذر احمد نے بھی اپنے مقدمہ میں اپنے تجربہ کی روشنی میں فکر انگیز گفتگو کی ہے

راقم الحروف کا مشورہ ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان کی نگاہ سے گزرنی چاہئے۔ بطور خاص مبلغوں اور خطیبوں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ تاکہ وہ اپنے دائرہ کار کو متعین کر سکیں اور اس خطرناک صورت حال کو بدلنے کے لئے کوشش کر سکیں۔

خوشخبری

دعوات حق کی دوسری جلد

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات و مواعظ اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ علم و حکمت کا گنجینہ جسکی پہلی جلد کو ہر طبقے میں سراہا گیا۔ اور اہل علم و خطباء اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور جس کا کوئی ایک نسخہ بھی اس وقت دستیاب نہیں ـــ الحمد للہ کہ انتظار شدید کے بعد اسکی دوسری جلد کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر کر شائع ہو گئی ہے۔ تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل اس دوسری جلد میں بھی دین و شریعت۔ اخلاق و معاشرت۔ علم و عمل۔ نبوت و رسالت۔ شریعت و طریقت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر حضرت مدظلہ نے عام فہم اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے انداز میں گفتگو نہ کی ہو۔ آج ہی کتاب طلب کیجئے ورنہ جلد اول کی طرح اسکی نایابی پر بھی افسوس کرنا پڑے گا۔ صفحات ۵۲۰۔ قیمت چالیس روپے۔ طباعت آفسٹ۔ جلد دیدہ زیب۔

مؤتمر المصنفین ـ دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک۔ (پشاور)

ادبیات

از جناب سید امین گیلانی صاحب

حسن حق کہنے میں ہے حسنِ بیاں ہو یا نہ ہو

حسن حق کہنے میں ہے حسنِ بیاں ہو یا نہ ہو
حق کو پوشیدہ نہ رکھ تیرا زیاں ہو یا نہ ہو
اس طرف چل جس طرف ہو رہنما تیرا ضمیر
بیشک اس رہ میں ہجومِ رہرواں ہو یا نہ ہو

ہم نے یہ مانا تمہیں دعویٰ ہے تم انساں ہو
پھر تمہی کہہ دو تمہارا امتحاں ہو یا نہ ہو
میں خدا لگتی کہوں گا میں رکھوں کیوں سر پہ بار
اہلِ محفل پہ سخن میرا گراں ہو یا نہ ہو

غیر کیوں گھر میں ترے داخل ہو تو خود ہی بتا
دل کے دروازے پہ غیرت پاسباں ہو یا نہ ہو
مہربانی میں نہ تیری فرق آنا چاہئے
مہرباں! تجھ پہ کوئی مہرباں ہو یا نہ ہو

جب نہیں تجھ کو گوارا اپنے اندر انقلاب
پھر تجھے کیا انقلابِ آسماں ہو یا نہ ہو
میں ترا بندہ ہوں تو میرا خدا تو ہی بتا
جنت و دوزخ ہمارے درمیاں ہو یا نہ ہو

دوستو! یہ زندگانی، ہیچ بے دردِ جگر
لذتِ دردِ جگر مجھ سے بیاں ہو یا نہ ہو
جس میں ہو دردِ محبت جس میں ہو سوزِ خلوص
وہ ہے میری ہی وہ میری داستاں ہو یا نہ ہو

بانٹتے رہنا گہر ہائے سخن ہر بزم میں
اے امینؔ کوئی تمہارا قدرداں ہو یا نہ ہو

دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

شفیق فاروقی

●— ۱۰ ذی الحجہ۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے نماز عیدالاضحیٰ سے قبل عیدگاہ میں اکوڑہ خٹک اور مضافات کے ہزاروں مسلمانوں کے مجمع سے خطاب فرمایا۔ خطاب کے آخر میں آپ نے حاضرین کو موجودہ عیدگاہ جو دارالعلوم کے ساتھ ملحق ہے اور جس میں پورا شہر ایک ہی جگہ عیدین کی نماز ادا کرتا ہے۔ کی توسیع کیلئے مشرقی جانب کی زمین خرید کر توسیع کرنے کی تجویز رکھی جو اب بہت تنگ ہوتا جارہا ہے، آپ نے اپنے جیب سے ایک سو روپیہ عطا فرما کر اس فنڈ کا آغاز کیا اور اس کے بعد حاضرین نے فوری طور پر بارہ ہزار روپے توسیع عیدگاہ کے لئے جمع کئے، چیئرمین بلدیہ جناب جان محمد خان صاحب کو اس سلسلہ میں جدوجہد کرنے کا کہا گیا۔

●— کعبۃ اللہ اور بیت الحرام پر مرتدین کے قبضے کی خبر دارالعلوم میں بجلی بن کر گری۔ سارے ایام طلبہ او اساتذہ بالخصوص حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے نہایت کرب و اضطراب میں گذارے۔ ۲۴ ذی الحجہ مط ۲۲ نومبر کو دارالحدیث میں تمام طلبہ و اساتذہ نے جمع ہو کر ختم کلام پاک کیا اور اختتام میں دعا سے قبل حضرت شیخ مدظلہ نے اس واقعہ ہائلہ پر مختصر اور مؤثر خطاب فرمایا تمام مقامات مقدسہ کی عظمت و حرمت اور عالم اسلا لئے دعائیں کی گئیں۔

●— وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ نتائج میں دارالعلوم حقانیہ کے شرکاء دورہ میں مولانا فض دیدوی پورے پاکستان میں دوئم اور دارالعلوم حقانیہ میں اول پوزیشن حاصل کرکے کامیاب ہوئے۔ اور دارالعلو کے مولانا غلام الرحمان صاحب ہزاروی پورے پاکستان میں سوئم آئے۔ دارالعلوم سے کل شرکاء امتحان دور تعداد ۱۰۲ تھی، مجموعی نتیجہ ۸۱ فیصد رہا جو قابل اطمینان ہے۔

●— ۲۸ ذی الحجہ گذشتہ سال کے فارغ التحصیل ہونے والے ایک فاضل مولانا گل محمد صاحب مقا ضلع پشین بلوچستان نے حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اساتذہ سے تبرکاً اپنی دستار بندی کروائی، آپ کے درجہ علیا میں کامیاب ہوئے ہیں۔ رات آپ نے اساتذہ کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔

●— دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کے لئے مزید دو مکانات کی تعمیر ہو گئی جن پر تقریباً ایک لاکھ روپیہ لگ

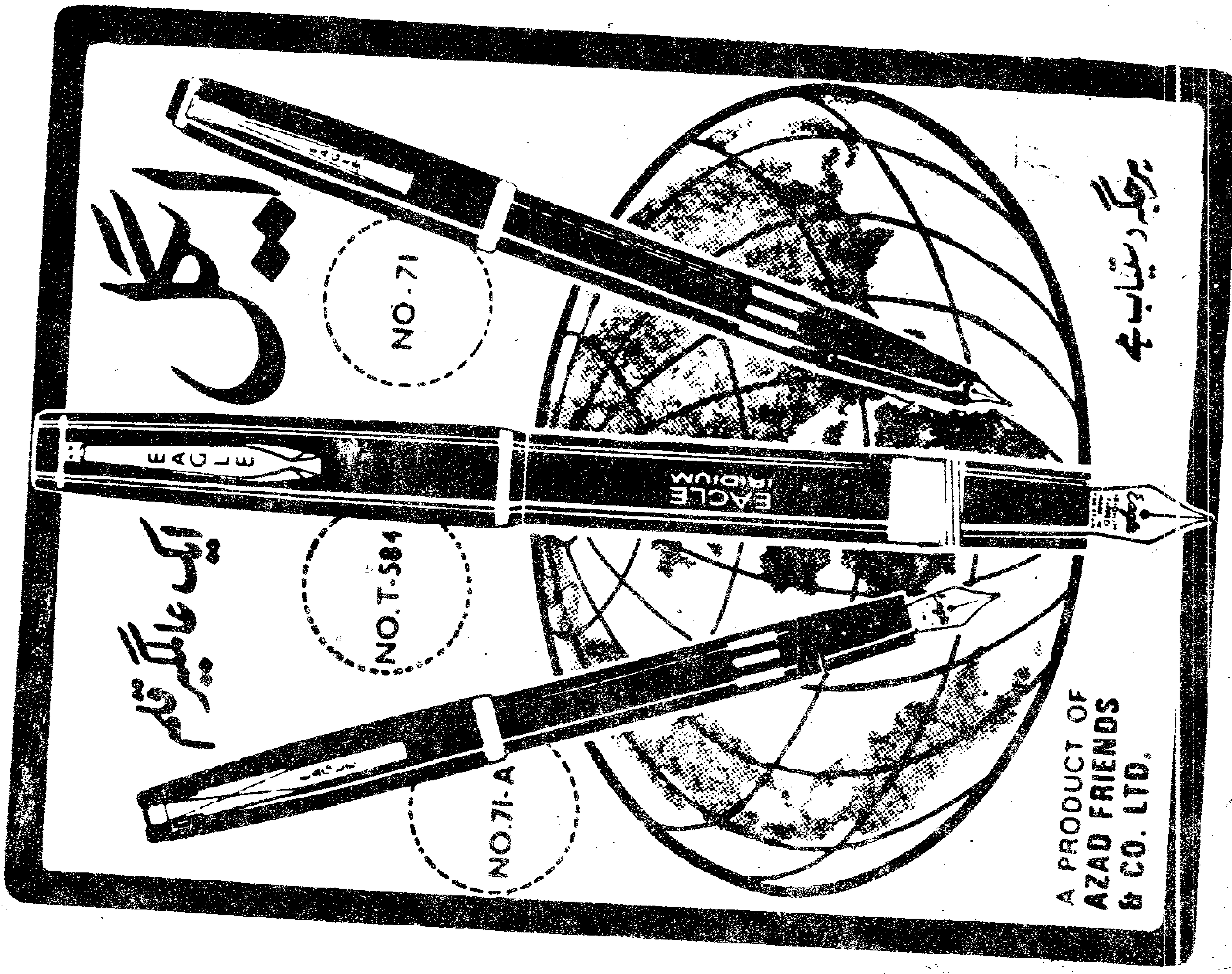
ایگل
NO.71
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
NO.T-584
NO.71-A
ایک عالمگیر قلم
ہر جگہ دستیاب ہے
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS
& CO. LTD.

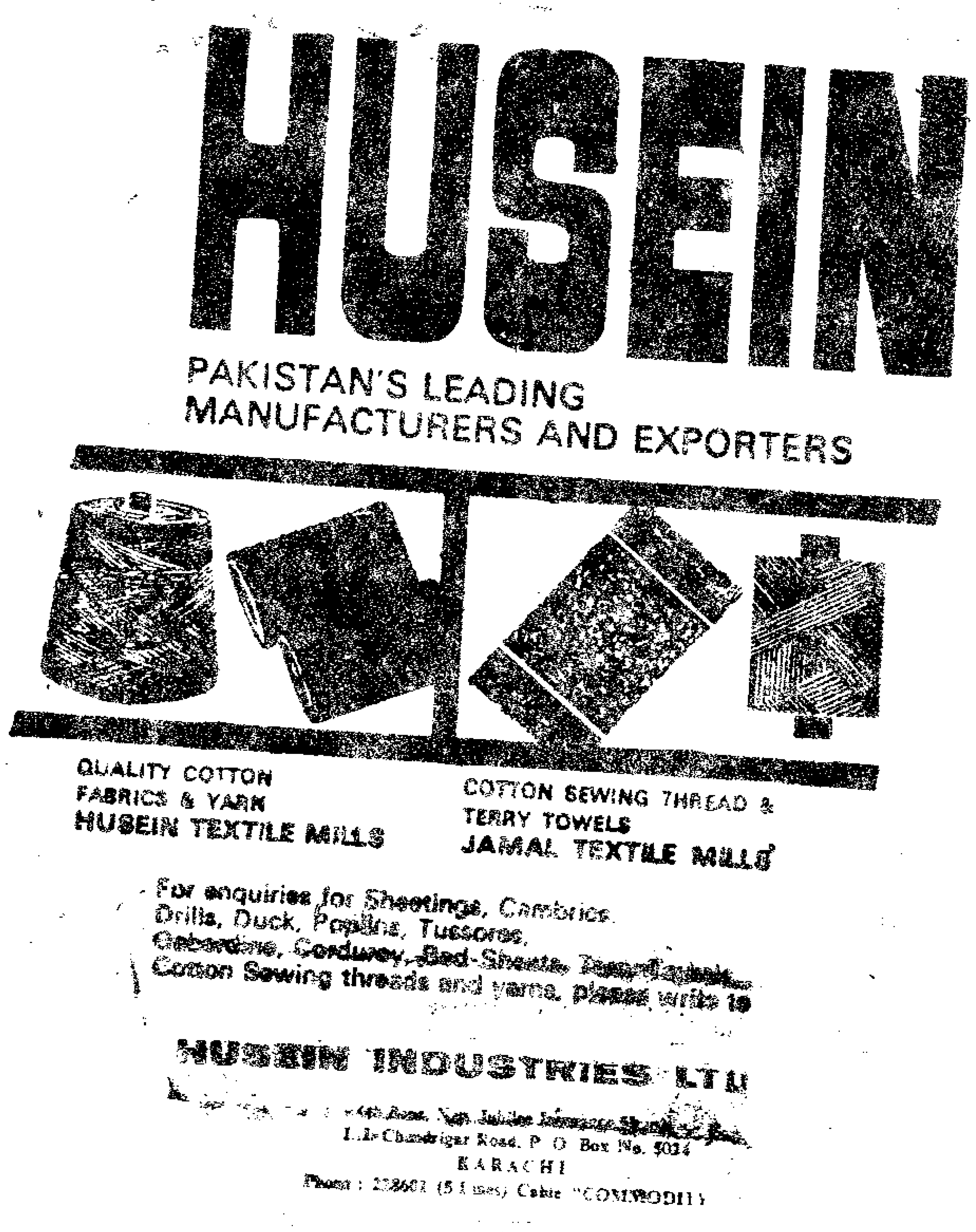
HUSEIN
PAKISTAN'S LEADING
MANUFACTURERS AND EXPORTERS
QUALITY COTTON
FABRICS & YARN
HUSEIN TEXTILE MILLS
COTTON SEWING THREAD &
TERRY TOWELS
JAMAL TEXTILE MILLS
For enquiries for Sheetings, Cambrics
Drills, Duck, Poplins, Tussores,
Cotton Sewing threads and yarns, please write to
HUSEIN INDUSTRIES LTD
Chundrigar Road, P. O. Box No. 5034
KARACHI

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت
ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش
ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

سروس انڈسٹریز

پائیدار۔ دلکش۔ موزوں اور
واجبی نرخ پر جوتے بناتی
ہے

Servis

سروس شوز

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

آپکو بہترین معیار کی جستجو ہے تو آپکا موزوں ترین انتخاب 'بے مثال لنن اور انمول پاپلین

'بے مثال' لنن اور 'انمول' پاپلین' دیدہ زیب' دیرپا' اعلےٰ معیار اور نفاست میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں -

- پولی ایسٹر اور ریان سے تیار شدہ
- سکڑنے سے محفوظ (Evaset)
- مرسرائزڈ' آب و تاب
- شکنوں سے مبرا
- واش اینڈ ویئر (دھلائی آسان' استری سے بے نیاز)
- دیرپا فنش
- ہر گز پر تیار کنندگان کی مہر

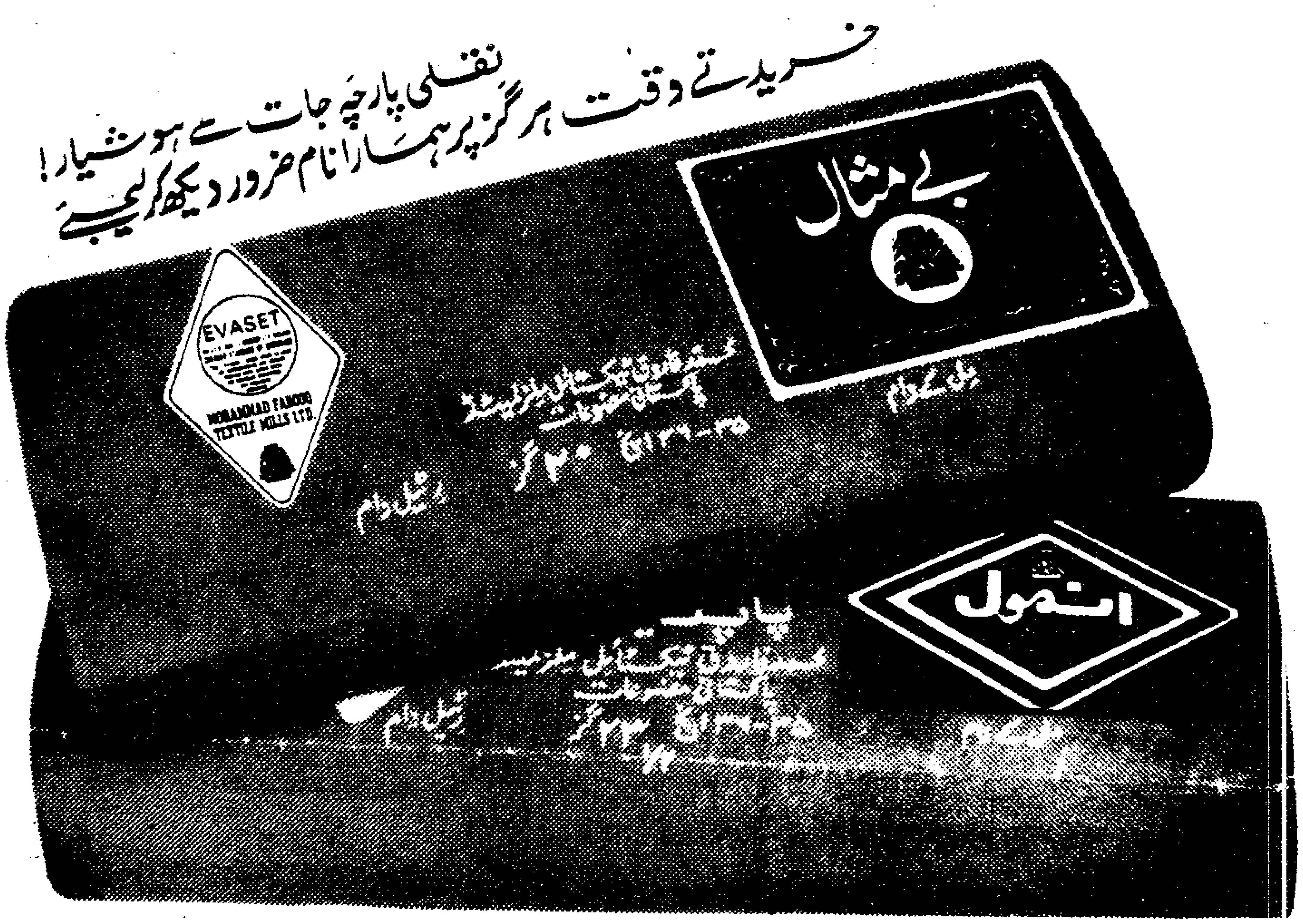

آپکے ذوق کیلئے۔ آپ کی زیبائش کیلئے

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

فینلے ہاؤس' آئی آئی چندریگر روڈ' کراچی۔

فون: ۲۳۱۵۲۳ - ۲۳۳۰۵۸ - ۲۳۹۹۶۴

MFTM-6-75

ASIATIC

ایک

اچھوتا انداز شکنوں سے بے نیاز

پولیسٹر بلینڈڈ

سینفورائزڈ

فیبرکس

شنگریلا ایس کیو ۷۷۷۷

شرٹنگ کے لئے اعلیٰ بلینڈڈ آئرش لینن

فلیمنگا ایس کیو ۱۰۰۵

پیما کاٹن اور جرمن پولیسٹر فائبر سے تیار کردہ پولیسٹر لان

کینڈل اسٹار ایس کیو ۱۰۰۸

پولیسٹر کاٹن شرٹنگ

الکازار ایس کیو ۱۰۰۳

پولیسٹر کاٹن شر

نقل سے ہوشیار رہیئے

قابل اعتماد اسٹار فیبرکس ہی خریدیں
جو تمام بڑی دکانوں کے علاوہ مندرجہ ذیل پتہ
پر بھی دستیاب ہے۔

میسرز ایچ سلیمان اینڈ کمپنی
نیو نیپئر روڈ سراج کلاتھ مارکیٹ کراچی
فون نمبر: ۲۲۹۸۵۰ — ۲۲۶۹۶۶
ٹیلیگرام :- "حاصل"

بہترین پاپلین بنانے والے

Star

اسٹار ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
پوسٹ بکس نمبر ۴۴۰۰ کراچی نمبر ۲
ٹیلیفون نمبر ۲/۱/۳۱ ۲۳۸۱ تار کا پتہ "بلیو اسٹار"